فہم قرآن بذریعہ کمپیوٹر

ایک کمپیوٹر ڈسک (CD) میں

پورے قرآن کا ترجمہ بمع مختصر تشریح !

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

کی آواز میں قرآن مجید کی مختصر و جامع تشریح پر مبنی

دورۂ ترجمہ قرآن---Compact Disk

تیار کرلی گئی ہے' ہدیہ -/175 روپے

نوٹ :

یہ کمپیوٹر ڈسک امسال ماہ رمضان میں کراچی میں ہونے والے

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ

دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل ہے

تیار کردہ : **شعبہ سمع و بصر قرآن اکیڈمی لاہور**

ملنے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

Email : aasif@brain.net.pk & aasif@yahoo.com

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۷ — جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ — ستمبر ۱۹۹۸ء — شمارہ ۹

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱-داؤد منزل متصل شاد بگری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

یہ اطلاع نہایت خوش آئند ہے کہ قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دینے کی خاطر دستورِ پاکستان میں پندرھواں ترمیمی بل قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ دستورِ پاکستان میں اسلامی دفعات کی مرحلہ وار شمولیت کی تاریخ قریباً اتنی ہی طویل ہے جتنی طویل پاکستان کی اپنی تاریخ ہے۔ اس مبارک کام کا آغاز ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد کی منظوری سے ہوا تھا۔ اس کے بعد صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اس معاملہ میں قابلِ ذکر پیش رفت ہوئی۔ اگرچہ یہ امر نہایت تکلیف دہ تھا کہ اسلامی دفعات کی شمولیت کے ساتھ ساتھ اس سے متصادم دفعات کو بھی دستور میں باقی رکھا گیا جس کی وجہ سے اسلامی دفعات بالکل غیر مؤثر ہو کر رہ گئیں۔ وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف کا پیش کردہ حالیہ شریعت بل اس معاملے میں فیصلہ کن پیش رفت کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجوزہ آئینی ترمیم ایک پیکج کی شکل میں ہے جس میں قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کے علاوہ دستور کی دفعہ ۲۳۹ کے حوالے سے بعض دیگر ترمیمات بھی شامل کی گئی ہیں جن میں وزیر اعظم کو غیر معمولی اختیارات دینا اور دستور میں ترمیم کیلئے حاضر ارکان اسمبلی کی سادہ اکثریت کو کافی قرار دینا محلِ نظر ہیں۔ اگرچہ ان اقدامات کا مقصد حکومتی حلقوں کی جانب سے یہی بتایا گیا ہے کہ قوانین شریعت کی تنفیذ کی راہ کی رکاوٹوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے مذکورہ ترمیمات کو اس پیکج میں شامل کیا گیا ہے لیکن معترضین اسے کسی اور نگاہ سے دیکھتے ہوئے بدنیتی پر محمول کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک یہ آئینی پیکج اونٹ کے گلے میں بلی باندھنے کے مترادف ہے کہ جس کا اصل مقصد اپنے لئے غیر معمولی اختیارات کا حصول ہے، لیکن اس کیلئے شریعت کو ایک ذریعہ اور وسیلہ بنایا گیا ہے ــــــ اس بارے میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس اور تنظیم اسلامی کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا موقف بہت واضح اور متوازن ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ایک پریس کانفرنس میں مجوزہ ترمیمی بل پر گفتگو کرتے ہوئے جہاں ایک طرف قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دینے کے فیصلے کا بھرپور خیر مقدم کیا اور حکومت کو اس فیصلے پر لائق صد مبارکباد قرار دیا، وہاں دوسری طرف وزیر اعظم پاکستان سے یہ اپیل بھی کی کہ وہ اس پیکج کے دوسرے حصے کو جدا کر کے سردست صرف پہلے حصے یعنی قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دینے کی حد تک ترمیمی بل کو محدود رکھیں تاکہ وہ سیاسی اور دینی جماعتیں یا عناصر جو موجودہ بل کو اس کے دوسرے متنازعہ حصے کے باعث قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، ان کیلئے بھی اعتراض کا موقع باقی نہ رہے اور وہ عناصر جو واقعتاً نفاذ شریعت کے مخالف ہیں ان کی اسلام دشمنی بھی نمایاں ہو جائے اور وہ عریاں ہو کر عوام کے سامنے آ جائیں۔ OO

ڈاکٹر اسرار احمد

فَمَنْ اَظْلَمُ (۲۴)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ﴾ (الزمر: ۳۲'۳۳)

قرآن مجید کا چوبیسواں پارہ "فَمَنْ اَظْلَمُ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ابتداءً سورۃ الزمر کی چوالیس آیات شامل ہیں' پھر سورۃ المؤمن مکمل اور آخر میں سورۂ حٰم السجدہ کی چھیالیس آیات۔ سورۃ الزمر کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس کے بالکل آغاز میں انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین عظام کی شخصیتوں کا یہ پہلو بیان ہوا ہے کہ سچ' راستی اور صداقت ان کی سیرتوں کے اہم ترین اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا : ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ صداقت کا پیغام لانے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور اس سچائی کی تصدیق میں پیش قدمی کرنے والے صدیقین عظام ہیں۔ ایک اور بات جو توحید کا لُبِّ لباب اور اس کا اصل حاصل قرار دی جا سکتی ہے' یہ فرمائی گئی : ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ (الزمر: ۳۶) "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟" بندے کا یہ اطمینان اور یہ یقین کہ میرا رب میرے ساتھ ہے' وہ میرا حامی و ناصر ہے' وہ میرا مددگار ہے' وہ میرا حاجت روا اور مشکل کشا ہے' وہ میرا روزی رساں ہے' جتنا یہ یقین پختہ ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی درحقیقت دین کی اصل رُوح اور عبادت کی اصل چاشنی سے اس انسان کو اُس کا حصہ ملتا چلا جائے گا۔

سورۃ الزمر کا اختتام بڑی عظیم آیات پر ہوا ہے۔ توحیدِ خالص کی جس دعوت سے اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوا تھا اسی پر انتہائی پُرہیبت اور پُرجلال انداز میں اختتام ہوا : ﴿قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ○﴾ (الزمر : ۶۴) اے جاہلو! اے نادانو! اے حرص و ہوا کے بندو! کیا تم مجھ سے بھی یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کرنے لگوں؟ کیا میرے بارے میں بھی تمہارا یہ گمان ہے کہ میں شرک میں ملوث ہو جاؤں گا؟ ﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ○﴾ (الزمر : ۶۵) حالانکہ اے نبیؐ آپؐ پر وحی کر دیا گیا ہے اور یہ بات بالکل کھول دی گئی ہے 'واضح کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض آپؐ بھی شرک میں ملوث ہو گئے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ آپؐ کے بھی تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپؐ بھی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے ـــــ اس کے بعد قیامت 'بعث بعد الموت اور میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے جہاں گواہیاں پیش ہوں گی 'انبیاء 'صِدّیقین اور شہداء اُمّتوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ اور اس پورے حساب کتاب اور محاسبے کے بعد انجام کار کے طور پر جب انسانوں کو جنت یا دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا تو اس کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ فرمایا : ﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ (الزمر : ۷۱) وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی 'وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ وہاں جہنم کے کارندے ان سے سوال کریں گے کہ تمہارے پاس وہ نبی نہ آئے تھے جو تمہیں اللہ کی آیات سناتے تھے اور تمہیں آج کے اس دن سے ڈراتے تھے؟ تو وہ کافر جواب دیں گے : یقیناً آئے تھے 'لیکن اللہ تعالیٰ کی بات ہمارے حق میں کامل اور ثابت ہو کر رہی اور ہم اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اس بدانجام کو پہنچ کر رہے۔ اہلِ تقویٰ کا معاملہ اس کے برعکس ہو گا :

﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (الزمر : ۷۳) اور وہ لوگ جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کئے رہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی

گزاری' ان کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اور وہاں جنت کے منتظمین تحیۃ و مبارک باد اور سلامتی کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے : ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○﴾ (الزمر : ۷۳) اور آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے' یوں سمجھئے کہ اس پورے معاملے کا ڈراپ سین ہوگا جب کہ ملائکہ عرش خداوندی کے گرد طواف کرتے ہوئے حمد و ستائش کے ترانے اللہ واحد کے لئے' تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے الاپ رہے ہوں گے : ﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الزمر : ۷۵)

سورۃ الزمر کے بعد مصحف میں سورۃ المؤمن آتی ہے۔ یہ سلسلۂ حوامیم کی پہلی سورۃ ہے اور ہر اعتبار سے اہم ترین اور جامع ترین سورۃ ہے۔ اس کا نام سورۂ غافر بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کے بالکل آغاز میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان ہوئی ہے : ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ﴾ (المؤمن : ۳) وہ گناہوں کا بخشنے والا بھی ہے' توبہ کا قبول فرمانے والا بھی ہے' لیکن ساتھ ہی وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے' اور اسے پوری مقدرت اور پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کی سزا اور اس کی پکڑ سے بچ جانا کسی کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ ایک اور عجیب حقیقت کی طرف راہنمائی ملتی ہے کہ اہل جہنم فریاد کریں گے : ﴿رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ○﴾ (المؤمن : ۱۱) اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ جلایا' اب یہاں سے بھی نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ انسان کی زندگیاں دو ہیں' ایک ارواح کی تخلیق کے بعد وہ مختصر سی زندگی تھی جس کے دوران کا اہم ترین واقعہ عہد الست ہے جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آ چکا ہے : ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى﴾ (الاعراف : ۱۷۲) اور دوسری زندگی یہاں اس زمین پر یہ حیاتِ دنیوی ہے۔ اسی طرح دو ہی موتیں ہیں۔ ایک اُس پہلی زندگی کے بعد کی ایک عارضی موت اور ایک دوسری زندگی کے بعد کی موت' جس کے بعد جب احیاء ہوگا تو وہ پھر ابدی زندگی

ہے 'ہمیشہ کی زندگی۔

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون میں سے ایک ایسے صاحب کے حالات اور ان کی تقریر خاص طور سے ذکر فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے 'لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تا آنکہ وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے اپنے دربار میں یہ تجویز پیش کی کہ اب موسیٰ کو مزید مہلت نہ دی جائے : ﴿ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی ﴾ (المؤمن : ۲۶) اب تو مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل ہی کر گزروں۔ اُس وقت وہ صاحب ایمان موقع کی نزاکت کے اعتبار سے بھرے دربار میں کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہاں جو تقریر کی اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قرآن مجید میں جن انسانوں کے اقوال نقل ہوئے 'یا ان کی وصیتیں یا نصیحتیں نقل ہوئی ہیں ان میں جس قدر تفصیل کے ساتھ مومن آلِ فرعون کی تقریر قرآن مجید میں نقل ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید بنادی گئی اتنی تفصیل کے ساتھ کسی اور کا قول نقل نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا : ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ (المؤمن : ۲۸) کیا تم ایک شخص کے قتل کے درپے ہو گئے ہو صرف اس جرم پر کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یاد رہے کہ یہی وہ الفاظ تھے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائے تھے۔ جب مسجد حرام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین نے دست درازی کی اور آپؐ کو مارنے کے لئے بڑھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سینہ سپر ہو گئے اور اُس وقت ان کی زبان پر یہی الفاظ تھے : "اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ" کیا تم صرف اس جرم کی پاداش میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے قتل کے درپے ہو گئے ہو کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب صرف ایک اللہ ہے۔ ان کی تقریر کا اختتام اس جامع جملے پر ہوا ﴿ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (المؤمن : ۴۴) میں اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں 'میں نے کلمۂ حق کہہ دیا اور مجھے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں کہ تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے 'اس لئے کہ میں نے اپنے معاملے کو بالکل ہی اللہ کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد سورۂ حٰمٓ السجدۃ آتی ہے۔ اس کی آیات میں ایک اہم بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ قیامت کے دن جب انسانوں کا محاسبہ ہو گا تو ان کے اپنے اعضاء و جوارح ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے اور جب وہ حیران و ششدر رہ کر کہیں گے ﴿وَقَالُوا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ کہ ہمارے ہی اعضائے جسم ہو کر ہمارے خلاف گواہی دے رہے ہو تو وہ کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱) ہمیں بھی آج اُس اللہ نے زبان دے دی ہے جس نے ہر شے کو زبان دی تھی۔ آج تمہاری بدکرداری کے خلاف سب سے بڑی گواہی ہم خود دیں گے۔ ایک اور قول کفار کا نقل ہوا۔ قرآن مجید کی تاثیر کو پورے طور پر سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے باہم یہ مشاورت کی ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۲۶) اس قرآن کو مت سنا کرو بلکہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں قرآن سنائیں تو کوئی شور و شغب برپا کر دیا کرو' اسی میں تمہاری فلاح ہے' اسی میں تمہارے غالب آنے کی کوئی شکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اور پھر آئیں وہ نہایت عظیم آیات : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یقیناً وہ لوگ کہ جو کہیں کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے اور پھر اس پر جم جائیں عقیدتاً بھی اور عملاً بھی' اور ان کی پوری شخصیت ان کے اس یقین کا مظہر بن جائے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کی طرف سے بشارتیں ملتی ہیں : ﴿اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۰) پھر ان لوگوں کی شخصیتوں کا وہ نقشہ بھی کھینچا گیا کہ یہ لوگ پھر اسی بات کے داعی بھی بن کر کھڑے ہوتے ہیں : ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۳) ویسے تو زبان اللہ نے ہر ایک کو دی ہے لیکن اس سے بہتر بات کس کی ہو گی جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور اس کے اپنے عمل بھی درست ہوں اور وہ یہ کہتا ہو کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔

درس ۱۲

عائلی زندگی کے بنیادی اصول

سورۃ التحریم کی روشنی میں

(۱)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ' تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ' وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ' وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ' وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۝ ﴾ —— صدق اللہ العظیم

"اے نبی! (ﷺ) آپ کیوں حرام کرتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے لئے حلال ٹھہرائی ہے' اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے' اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ نے تمہاری قسموں کو کھولنے کے لئے طریقہ معین کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا پشت پناہ اور مددگار ہے' اور وہ سب کچھ جاننے والا اور کمال حکمت والا ہے۔"

سورۃ التحریم اٹھائیسویں پارے کی آخری سورۃ ہے —— اور مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں سلسلہ وار ہو رہا ہے اس کا بحیثیت مجموعی یہ بارھواں درس ہے اور تیسرے حصے یعنی مباحث عمل صالح کا تیسرا درس ہے۔ اس منتخب نصاب کے جن دروس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں ان کے درمیان جو معنوی ربط و تعلق اور منطقی ترتیب ہے اس کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

اس منتخب نصاب کا پہلا حصہ چار جامع اسباق پر مشتمل ہے' جس میں انسان کی

کامیابی اور فوز و فلاح کے چاروں لوازم یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا بیان ہے۔ دوسرے حصہ میں چند ایسے مقامات شامل ہیں جو خاص طور پر ایمان کے مباحث سے متعلق ہیں۔ تیسرے حصہ میں اعمال صالحہ کی بحث ہے جو جاری ہے۔

ظاہر بات ہے کہ انسانی اعمال میں سب سے پہلے انفرادی سیرت و کردار کا معاملہ زیر بحث آنا چاہئے۔ چنانچہ پہلے دو اسباق میں انفرادی سیرت و کردار ہی سے متعلق چند اہم پہلو سامنے آئے ہیں۔ اولین درس' جو سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۃ المعارج کی درمیانی سترہ ہم مضمون آیات پر مشتمل ہے' میں قرآن نے تعمیر و سیرت کے لئے جو بنیادیں فراہم کی ہیں اور تعمیر خودی کا جو پروگرام دیا ہے' اس کا بیان ہے اور سورۃ الفرقان کے آخری رکوع پر مشتمل دوسرے سبق میں یہ بات ہمارے سامنے آئی کہ ایک مکمل طور پر تعمیر شدہ بندۂ مومن کی شخصیت کے کیا خدوخال ہونے چاہئیں! یعنی قرآن مجید کا انسان مطلوب کیا ہے' جسے علامہ اقبال مردِ مومن سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب ہم انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اجتماعیت کی پہلی منزل خاندان اور عائلی نظام ہے۔ اس سے آگے معاشرہ اور پھر اس سے آگے ریاست ہے۔ یہ سارے اس اجتماعیت کے مدارج ہیں جس کا نقطۂ آغاز خاندان ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ خاندان کی بنیاد رشتہ ازدواج سے پڑتی ہے۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق ایک خاندان کا سنگ بنیاد بنتا ہے۔

چونکہ اجتماعیت کا اولین قدم یہی ہے' لہٰذا قرآن مجید میں عائلی نظام سے متعلق مباحث نہایت شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ آئے ہیں اور شوہر و بیوی کے رشتے کے متعلق معاملات اور نکاح و طلاق کے احکام و مسائل کے بارے میں تفصیلی ہدایات بیان ہوئی ہیں۔ سورۃ البقرہ میں کئی رکوع اسی بحث پر مشتمل ہیں۔ پھر سورۃ النساء' سورۃ المائدہ' سورۃ الاحزاب' سورۃ المجادلہ' سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں اس موضوع پر گفتگو آئی ہے۔ فارسی کے اس مشہور شعر کے مصداق کہ ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

چونکہ خاندان انسانی معاشرے اور انسانی تہذیب و تمدن کا بنیادی پتھر ہے اور اسی پر ریاست' ملت اور اجتماعیت کے تمام تصورات کی تعمیر ہوتی ہے لہٰذا اگر خاندان کے ادارے کی تعمیر میں کوئی کجی یا ٹیڑھ رہ جائے تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہ کجی آخر تک جائے گی۔ جڑ اور بنیاد میں ضعف رہ جائے تو یہ ضعف معاشرے کی تمام سطحوں پر ظہور کرے گا۔ لہٰذا قرآن مجید خاندان کے اس ادارے کو نہایت مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اسے نہایت صحیح بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے تاکہ اس میں نہ کوئی عدم توازن رہے' نہ ہی کوئی اونچ نیچ ہو' نہ ظلم و تعدی ہو اور نہ ہی یہ ضعف و اضمحلال کا شکار ہو۔

قرآن کریم کے اٹھائیسویں پارے کے آخر میں اس موضوع پر سورۃ التحریم اور سورۃ کی صورت میں دو نہایت حسین و جمیل سورتوں کا جوڑا ہمارے سامنے آتا ہے۔ ظاہر بات ہے جتنی سورتوں یعنی سورۃ البقرہ' سورۃ النساء وغیرہ جن میں عائلی زندگی کے معاملات پر بحث کی گئی ہے ان پر اس محدود وقت میں گفتگو نہیں ہو سکتی۔ البتہ سورۃ التحریم (جس کا مطالعہ آج کی اس نشست سے شروع ہو رہا ہے) کی ہر آیت کا ہم قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ لیکن اس سے قبل میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس سے ان شاء اللہ آپ کو فہم قرآن کے لئے رہنمائی ملے گی اور قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں جو باہمی ربط اور نظم ہے اس کے بارے میں آپ کو ایک بصیرت باطنی حاصل ہو گی۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ اب جوڑے ہونے کی نسبت کا تقاضا ہے کہ موضوع زیر بحث کے دو پہلو ہونے چاہئیں۔ ایک یہ کہ مشابہت بھی ہو اور دوسرے یہ کہ ان میں ایک تقسیم بھی ہو۔ یعنی تصویر کا ایک رُخ یا ایک پہلو اگر ایک سورت میں آیا ہے تو اس کا دوسرا رُخ اور دوسرا پہلو دوسری سورت میں آئے۔ جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتیں "معوذتین" ہیں۔ ان دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ تعوذ کا ایک پہلو سورۃ الفلق میں آ گیا ہے' یعنی ان وبالوں اور بلاؤں سے پناہ کے لئے اللہ سے دعا کرنا جو انسان پر خارج سے حملہ آور ہوتی ____ اور تعوذ کا دوسرا رُخ سورۃ الناس میں آ گیا ہے' یعنی ان وسوسوں اور بہکاووں سے پناہ کے لئے اللہ سے دعا کرنا جو شیطان اور اس کی صلبی و معنوی اولاد' انسان کے دل و دماغ اور باطن میں پیدا

کرتی ہے۔ اسی طرح عائلی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں' جنہیں تصویر کے دو رُخ یا معاملات کے دو اجزاء کہہ لیجئے' جو سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں سامنے آتے ہیں۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان سورتوں کا بنیادی اور مرکزی مضمون کیا ہے! خاندان کے جذبات کا لحاظ رکھنا اور ایک دوسرے کے احساسات کا پاس کرنا ایک بنیادی قدر ہے۔ جس گھر میں شوہر اور بیوی کے مابین یہ کیفیت نہیں ہے تو یوں سمجھئے کہ زبردستی اور مارے باندھے کا ایک رشتہ ہے جو قائم ہے۔ اس رشتہ میں جو چاشنی اور باہم محبت و الفت درکار ہے اگر وہ موجود نہیں ہے تو ایسا گھر اس دنیا میں جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ الغرض عائلی زندگی میں دو رویئے ہیں جن میں انسان انتہا تک چلا جاتا ہے۔ ایک رویہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان عدم موافقت ہے' دونوں کے مزاجوں میں کوئی ایسا بُعد ہے کہ باہم موافقت نہیں ہو پا رہی تو اس کی انتہا طلاق ہے۔ یہ مضمون سورۃ الطلاق میں آیا ہے۔ سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق میں مشابہت دیکھئے کہ دونوں کے آغاز میں براہ راست نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ البتہ سورۃ الطلاق کے شروع میں طلاق کا ذکر ہے' مگر چونکہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں طلاق کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں لہٰذا شروع میں تو خطاب حضورؐ سے ہے لیکن فوراً بعد ہی ﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ سے آخر آیت تک جمع کا صیغہ آیا ہے۔ یعنی دراصل یہ بات حضورؐ کو مخاطب کر کے آپؐ کی وساطت سے مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہارے یہاں کوئی اس قسم کی صورت حال پیش آ جائے کہ طلاق ناگزیر ہو جائے تو یہ روش اختیار کرو' یہ اس کے قواعد و ضوابط اور شرائط و آداب ہیں۔

یہ بات تمدنی اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ بعض معاشروں اور بعض مذاہب نے طلاق کو عائلی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ جبکہ اسلام کا نظام بڑا متوازن اور معتدل ہے۔ اسلام کے عائلی نظام میں ایک طرف تو طلاق کو حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مبغوض چیز کہا گیا ہے اور ساتھ ہی بیوی کی ناپسندیدہ عادتوں سے صرف نظر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں' جسے امام مسلم نے اپنی صحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' نبی اکرم ﷺ نے بطور انتباہ فرمایا :

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ))

"کوئی مومن اپنی بیوی سے اس کی کسی ناپسندہ عادت کی وجہ سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اس کی دوسری اچھی عادتوں کی وجہ سے اس سے راضی رہتا ہے۔"

اس ارشاد رسول ﷺ کی روشنی میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جانبین ایک دوسرے کی خوبیوں اور بھلائیوں پر نگاہ رکھیں تاکہ حتی الامکان کوشش ہوسکے کہ ان کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود کسی وجہ سے موافقت پیدا نہیں ہو رہی تو پھر اسلام ان دونوں کو زبردستی باندھ کر رکھنا نہیں چاہتا۔ اس زبردستی کے بندھن سے معاشرے میں خیر پیدا نہیں ہوتا شر پیدا ہوتا ہے' لہٰذا طلاق کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ البتہ اس کے جو ضوابط و قواعد اور آداب و شرائط ہیں انہیں بھی قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان آداب و شرائط کو ہمارے معاشرے میں عام طور پر ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور کوئی شوہر غصہ میں آکر ایک ہی وقت میں آخری قدم اٹھا بیٹھتا ہے اور ایک دفعہ ہی تین طلاقیں دے دیتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے۔

دوسری طرف عائلی زندگی میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی دلجوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کا معاملہ حد اعتدال سے بڑھ جائے اور شوہر اپنی بیوی کی رضاجوئی میں اس حد تک چلا جائے کہ شریعت کے احکام ٹوٹنے لگیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو خوش اور راضی کرنے کے لئے یا اس کی کوئی فرمائش پوری کرنے کے لئے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال ٹھہرا لے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا تو سرے سے کوئی امکان نبی اکرم ﷺ کے لئے نہیں تھا' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ البتہ حضورؐ کی حیات طیبہ میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس میں حضور ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہراتؓ کی دلجوئی ملحوظ رکھی۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ پسندیدہ اور مطلوب ہے' حضورؐ نے اس کی ترغیب دی ہے' رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِكُمْ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي)) "تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہترین طرز عمل اختیار کرنے والے ہیں اور جان لو کہ میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لئے بہترین روش اختیار کرنے والا

ہوں"۔ اگرچہ یہ ایک پسندیدہ طرز عمل ہے مگر ایک خاص واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہمائش کی گئی۔ اس لئے کہ جیسے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں ہو چکا تھا کہ انہوں نے اپنے ذاتی ذوق کی بناء پر اونٹ کے گوشت کا استعمال ترک کر دیا تھا لیکن یہود نے یہ سمجھ لیا کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے گویا ایک نبی کے ذاتی ذوق کے معاملہ کو شریعت کا جزو بنالیا گیا اور اونٹ کے گوشت کی حرمت بنی اسرائیل کی شریعت میں مستقل ہو گئی۔

میں نے جس خاص واقعہ کا حوالہ دیا ہے وہ احادیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ سورۃ التحریم میں اس واقعہ کی طرف محض اشارہ ہے۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپؐ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے یہاں تشریف لے جاتے۔ ازواج مطہراتؓ کو آپؐ کے ساتھ جو محبت اور جو تعلق خاطر تھا اس کے پیش نظر ہر زوجہ محترمہؓ کی یہی تمنا اور کوشش ہوتی تھی کہ وہ حضورؐ کی توجہات کا مرکز بنے اور زیادہ سے زیادہ وقت اسے رسول اللہ ﷺ کی بابرکت صحبت میں رہنے کا موقع نصیب ہو۔ لیکن حضور ﷺ اس معاملے میں کامل عدل سے کام لیتے تھے اور ہر زوجہ محترمہؓ کے یہاں مساوی وقت دیتے تھے۔ ایک روز حضورؐ کو حضرت زینب بنت جحش کے یہاں معمول سے زیادہ دیر لگی۔ ہوا یہ کہ انؓ کے یہاں کہیں سے ہدیتاً شہد آیا ہوا تھا اور حضورؐ کو چونکہ شہد بہت مرغوب تھا اس لئے اُم المومنین حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کو شہد پیش کیا جس کے نوش فرمانے کے باعث آپؐ انؓ کے یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرے۔ پھر کئی روز تک یہی معمول ہوا۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے مل کر تدبیر کی کہ آپؐ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں شہد پینا چھوڑ دیں تاکہ آپؐ انؓ کے ہاں معمول سے زیادہ وقت نہ دے سکیں۔ وہ شہد مغافیر کے پھولوں کا تھا جس میں کچھ بساند اور ہینک ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ شہد کے استعمال کے بعد جب انؓ کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو وہؓ حضورؐ سے کہتیں کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بساند آتی ہے۔ انؓ دونوں نے چند دیگر ازواج مطہرات کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ آپؐ چونکہ نہایت نفاست پسند تھے اور جب آپؐ کی متعدد ازواج مطہرات

نے یہ بات کہی تو آپؐ نے عہد کر لیا اور قسم کھالی کہ آئندہ آپؐ یہ شہد استعمال نہیں فرمائیں گے۔

ہمارے دین میں نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام حاصل ہے کہ اگر آپ سے کوئی معمولی بات بھی ظہور میں آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ اب آپؐ نے چونکہ اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ایک شے اپنے اوپر حرام کی تھی اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت اس شے کو ہمیشہ کے لئے حرام یا کم از کم حد درجہ مکروہ سمجھنے لگے یا امت کے لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لینے کی دین میں اجازت ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرما کر حضور ﷺ کو اس کام پر ٹوک دیا۔

اس ٹوکنے سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنے کے مطلق اور قطعی اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نبی بھی اگر کسی شے کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اشارہ ہو۔ خواہ وہ اشارہ وحی جلی کی صورت میں ہوا ہو یا وحی خفی کے طور پر کیا گیا ہو۔

اس سورۂ مبارکہ پر تدبر کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب ایک ذرا سی بات پر حضور ﷺ کو نہ صرف ٹوک دیا گیا اور اس کی اصلاح کی گئی بلکہ اس کا ایک سورۃ میں ذکر کر کے اس کو ابد الاباد تک کے لئے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا تو اس سے قطعی طور پر یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے جن اعمال' افعال' احکام اور ہدایات پر قرآن مجید میں کوئی گرفت یا اصلاح موجود نہیں ہے وہ سراسر حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی کے مطابق ہیں اور ان کا اتباع ہم پر لازم ہے۔ اس بات سے سنت کی حجیت و فرضیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم اس سورۂ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ فرمایا : ﴿يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی' آپؐ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جسے اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے۔" انداز استفہامیہ ہے لیکن مقصود حضورؐ کو ٹوکنا اور متنبہ کرنا ہے : ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ "کیا آپؐ اپنی بیویوں کی

خوشنودی چاہتے ہیں؟" آیت کے اس حصہ سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا یہ فعل اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنا پر نہیں تھا بلکہ بیویوں کی خوشنودی کی وجہ سے تھا، جنہوں نے یہ صرف اس لئے چاہا تھا کہ آپؐ شہد پینے کی خاطر حضرت زینبؓ کے یہاں زیادہ قیام نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سبب کو یہاں بیان فرما کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو متنبہ فرمادیا کہ وہ نبی کی ازواج ہونے کی نازک ذمہ داریوں کا لحاظ رکھیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ "اور اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے" ــــ آیت کے اس حصہ میں حضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپؐ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایک حلال چیز کو حرام قرار دینے کا جو کام کیا ہے وہ کوئی گناہ نہ تھا لیکن آپؐ کے منصب کی اہم ترین ذمہ داریوں کے اعتبار سے مناسب نہ تھا، لہٰذا اللہ نے صرف ٹوک کر اصلاح کی طرف متوجہ کرنے پر اکتفا فرمایا۔

اس مقام پر ٹھہر کر ذرا اس بات پر غور فرمائیے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو اپنی ازواج کی خوشنودی کی خاطر ایک حلال چیز کو اپنے لئے حرام قرار دینے پر اس شدومد کے ساتھ ٹوک دیا گیا ہے تو ان لوگوں کا آخرت میں کتنا سخت اور شدید مؤاخذہ ہوگا جو اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لئے حرام کو حلال کر لیتے ہیں اور پھر اس کا مسلسل اور مستقل ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ "اللہ ایسی قسموں کو کھولنے کا ایک راستہ تمہارے لئے مقرر کرچکا ہے"۔ اس میں سورۃ المائدہ کی آیت ۸۹ کی طرف اشارہ ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب اس کو کھولنا ہے تو اس کے لئے کفارہ مقرر ہے۔ اور وہ یہ کہ دس مساکین کو کھانا کھلائے۔ وہ کھانا ایسا ہو جو انسان اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے ــــ یا دس مساکین کو لباس مہیا کرے ــــ یا کسی ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرائے ــــ اور اگر کسی کو ان میں سے کسی کی بھی استطاعت نہ ہو تو اس کا بدل یہ مقرر کیا گیا کہ ایسا شخص تین دن کے روزے رکھے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ قسم کو کھولنے اور عہد کی پابندی سے نکلنے کا اللہ تعالیٰ طریقہ معین فرماچکا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی ایسی صورت پیش آجائے تو کفارہ ادا

کر کے قسم کھول دو۔ آگے فرمایا : ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ﴾ "اور یہ بات جان لیجئے کہ آپؐ کا اور سب مسلمانوں کا مددگار' حامی اور پشت پناہ صرف اللہ ہی ہے۔" لہٰذا اسی کی رضا اور خوشنودی کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہئے۔ ﴿ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ "اور وہی ہے سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا"۔ یعنی وہ جو بھی حکم دیتا ہے اپنے علم کامل کی بنیاد پر دیتا ہے اور اس کی حکمت بالغہ اس حکم میں شامل ہوتی ہے۔

سورۃ التحریم کی ابتدائی دو آیات میں ہمارے سامنے خاندانی و عائلی زندگی کے بارے میں ایک بڑی بنیادی بات آگئی کہ بیویوں کی رضاجوئی اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا' ان کے ساتھ نرمی' محبت' مودت' الفت اور ان کے جذبات کا پاس اور لحاظ رکھنا' یہ تمام چیزیں اصلاً مطلوب اور پسندیدہ ہیں' لیکن ایک خاص حد تک۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ جذبہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور شریعت کے احکام ٹوٹنے شروع ہو جائیں۔ لہٰذا ایک بندۂ مومن کو ہمیشہ اور ہر وقت اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہئے۔ آیات ۳ تا ۵ میں فرمایا :

﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا' فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ' فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا' وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ' وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ○ ﴾

"اور جب نبی (ﷺ) نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے وہ راز (کسی اور پر) ظاہر کر دیا' اور اللہ نے نبی (ﷺ) کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو نبی (ﷺ) نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی (ﷺ) نے اسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا : آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟

نبی (ﷺ) نے کہا "مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے"۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لئے زیبا ہے' تمہارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں' اور اگر تم نبیؐ کے خلاف ایکا کرو گی تو اس کا حامی اللہ ہے اور جبریل اور تمام نیکو کار مسلمان' اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ تمہیں طلاق دے دے تو اس کا پروردگار تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اس کو عطا کر دے۔ اطاعت شعار' مومنہ' فرمانبردار' توبہ کرنے والیاں' عبادت گزار' ریاضت کرنے والیاں' شوہر آشنا اور کنواریاں۔"

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کی عائلی زندگی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ کی تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں' کیونکہ یہ آیات اپنے مفہوم و مدعا کو خود واضح کر رہی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کوئی راز کی بات اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی ایک سے کہی اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرما دی کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتائی جائے۔ ان زوجہ محترمہؓ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے کسی دوسری زوجہؓ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس افشائے راز کی خبر دے دی۔ اس پر حضور ﷺ نے نہایت ملائمت' شفقت اور نرمی سے ان زوجہ محترمہؓ کو اشارتاً جتلا دیا کہ یہ آپؐ کے علم میں آ گئی ہے۔ ﴿عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ﴾ کے الفاظ میں آپ کے حسن معاشرت کی اعلیٰ مثال کا ذکر ہے کہ آپ نے پوری بات جتلانا اور پورے کا پورا الزام دینا پسند نہ فرمایا۔ آپؐ نے شکوہ و شکایت میں بھی التفات و ملائمت کے پہلو کو پیش نظر رکھا تاکہ ان زوجہ محترمہؓ کو انتباہ ہو جائے۔ اس پر ان زوجہ محترمہ نے پلٹ کر سوال کیا کہ "آپؐ کو یہ کس نے بتایا؟" ہو سکتا ہے کہ انہیںؓ یہ گمان ہوا ہو کہ میں نے جن کو یہ بات بتائی تھی شاید انہوں نے حضورؐ کو بتا دی۔ اس لئے اپنے شک اور سوئے ظن کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے حضورؐ سے یہ وضاحت چاہی کہ آپ کو کس نے بتایا! ____

اس کے جواب میں حضورؐ کے جو الفاظ آئے ہیں ان میں تھوڑا سا اظہار ناراضگی کا پہلو بھی ہے' کیونکہ یہ معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ یہ مجھے کس نے بتایا' اصل بات تو یہ ہے

کہ ایک راز کی بات تھی' اسے راز ہی رہنا چاہئے تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے جواب میں فرمایا "مجھے تو اس خدا نے بتایا ہے جو العلیم بھی ہے اور الخبیر بھی۔ اس واقعے کے اجمالی ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہو رہا ہے۔

یہاں اس بات کو بھی جان لیجئے کہ عائلی زندگی میں مرد کا اپنی بیوی کے حق میں نرم ہونا' شفیق ہونا' شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و الفت' رحمت و شفقت اور مودت کا پایا جانا مطلوب ہے۔ لیکن اس میں اگر شوہر کی طرف سے نرمی زیادہ ہو جائے اور خاندان کے ادارہ کو مستحکم رکھنے کا بنیادی اصول یعنی ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ کا اہتمام والتزام پوری طرح باقی نہ رہے تو خاندانی زندگی کے بنیادی ڈھانچے کو ضعف پہنچے گا۔ پھر جب معاملہ خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کا ہو تو اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ آپؐ کا ہر عمل اُمت کے لئے نمونہ ہے ــــــ سورۃ الحجرات میں بہت زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ "خوب جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ موجود ہے۔" اس میں ایک بڑا لطیف نکتہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کا تو ایک ہی پہلو ہے' کہ آپؐ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور ہم امتی ہیں' آپؐ ہمارے آقا ہیں' ہم آپؐ کے غلام ہیں' اور تو کوئی رشتہ اور نسبت نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کا معاملہ بہت مختلف تھا۔ صحابہؓ میں سے کوئی حضورؐ کا چچا بھی ہے' اب چچا ہونے کے اعتبار سے وہ بڑا ہے' حضورؐ بھتیجے ہیں' بھتیجے کا رشتہ بہرحال چھوٹا ہے۔ اب اگر کہیں حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اپنی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ کوئی ایسا طرز عمل اختیار کر لیتے جو بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو حضورؐ کی حیثیت رسالت مجروح ہو سکتی تھی۔ لہٰذا آگاہ کر دیا گیا' متنبہ کر دیا گیا کہ ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اچھی طرح جان رکھو کہ تمہارے مابین صرف محمدؐ نہیں ہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا آپؐ کی اس حیثیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔

اسی بات کا اطلاق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر بھی ہو گا کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے ناز کا بھی اظہار ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کو بھی متنبہ کر دیا گیا کہ ٹھیک ہے

اے عائشہؓ کہ محمد ﷺ تمہارے شوہر ہیں' اے حفصہؓ! ٹھیک ہے کہ محمد ﷺ تمہارے شوہر ہیں' لیکن ہر دم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ اللہ کے رسولؐ بھی ہیں اور یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضورؐ کے احترام اور ادب کو کسی درجہ میں بھی ضعف پہنچنے کا امکان ہو تو اس کے بارے میں ہمیشہ سخت ترین تنبیہ نظر آئے گی۔ جیسے سورۃ الحجرات میں ہے کہ ﴿اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ﴾ مبادا تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو" ـــــ اگر معاملے کی یہ خاص صورت پیش نظر نہ ہو تو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کچھ سوئے ظن کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ حقائق جو میں نے بیان کئے ہیں اگر مد نظر رہیں تو پھر کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہو گی۔

زیر بحث معاملہ دو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آیا۔ ایک نے نبیؐ کا بتایا ہوا راز دوسری پر ظاہر کر دیا۔ اب دونوں کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ : ﴿اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا﴾ "اگر تم دونوں اللہ کی جناب میں توبہ کرو (اظہار ندامت کرو اور اللہ سے استغفار کرو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے' کیونکہ) تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔" یعنی دلوں میں تو یہ کیفیت ہے ہی' پشیمانی اور ندامت کے جذبات تو ہیں ہی ـــــ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی مان ہوتا ہے۔ وہی بات جسے میں نے ناز سے تعبیر کیا ہے۔ اس ناز کی وجہ سے ندامت اور پشیمانی کے الفاظ زبان پر نہیں آ رہے' طبیعت ہچکچا رہی ہے۔ تو گویا ترغیب کا یہ نہایت بلیغ انداز ہے کہ فرمایا گیا "تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔" جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ ذرا ہمت کرو' اصل میدان تو تم سر کر ہی چکے ہو' کٹھن منزل تو تم نے طے کر لی ہے' اب تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے' ہمت نہ ہارو' حوصلہ سے کام لے کر اس مرحلہ سے بھی گزر جاؤ۔

اس مقام پر بعض مفسرین کو سخت مغالطہ ہوا ہے' انہوں نے "صَغَتۡ" کا مفہوم کسی شے سے انحراف سمجھا ہے' حالانکہ یہ لفظ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی یہاں "صَغَتۡ" کا ترجمہ "جھک جانا" کیا ہے۔ آیت کا اسلوب بھی یہی بتا رہا ہے کہ "اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں' جھک ہی چکے ہیں"۔ ذرا سی یہ ہچکچاہٹ جو شوہر اور بیوی کے نفسیاتی تعلق کی وجہ

سے حائل ہے اس جھجک کو دور کرو اور اپنی خطا کا اعتراف کرو۔ اللہ سے بھی اس کے لئے استغفار کرو اور نبی ﷺ سے بھی معذرت کرو کہ ہم سے خطا ہوئی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اگر بظاہر درشتی کا پہلو ہو' سختی کا اسلوب ہو تو دیکھنا یہ ہو گا کہ خطاب کن سے ہے! بسا اوقات شفقت اور محبت ہی کے اظہار کے لئے بظاہر سختی کا انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک شفیق والد اپنے بچے کی تربیت کے لئے بعض اوقات سختی اور درشتی کا انداز اختیار کرتا ہے' لیکن کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ باپ کا دل اپنے بچے کی محبت سے خالی ہے؟ البتہ یہاں ایک بات یہ جان لیجئے کہ ع "جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے" کے مصداق جن کے مقامات بلند ہوتے ہیں ان کی چھوٹی سی بات پر بھی جب گرفت ہوتی ہے تو بظاہر انداز بڑا سخت ہوتا ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ" یعنی عام لوگوں کے لئے جو کام بڑی نیکی کا سمجھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہی کام اللہ تعالیٰ کے مقربین اولیاء اور محبوب بندوں کے لئے تقصیر قرار پائے اور ان کے مرتبہ کے اعتبار سے قابل گرفت شمار ہو جائے۔ لہٰذا یہ معاملہ مراتب اور درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہی اسلوب ہم قرآن مجید کے بعض مقامات پر دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ خطاب میں بھی بظاہر کچھ سختی کا اظہار ہو رہا ہے۔ جیسے :

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○ ﴾

"ترش رُو ہوا اور بے رخی برتی۔ اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر' شاید وہ سدھر جائے۔ یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو! جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔"

بظاہر اس اسلوب میں کچھ سختی ہے' لیکن درحقیقت اس انداز میں محبت' شفقت اور عنایت پنہاں ہے۔ حضورؐ کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے گرفت کا انداز نظر آتا ہے' جبکہ بڑی معمولی بات ہے اور عام لوگوں کے لئے غلطی بھی نہیں ہے' لیکن رسول اور نبی ہونے کے اعتبار سے اس پر بھی روک ٹوک ہو رہی ہے اور بظاہر انداز سخت نظر آ رہا

ہے۔ اسی اصول کا ہم یہاں بھی اطلاق کریں گے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو' تم امہات المومنین ہو' پوری امت کی خواتین کے لئے قیامت تک تمہارا طرز عمل نمونے کا طرز عمل ہو گا۔ لہٰذا تمہارا طرز عمل بڑا اعلیٰ' معیاری اور آئیڈیل ہونا چاہئے۔ اس میں ذرا سی کمی کسی پہلو سے بھی ہو تو ممکن ہے کہ وہ پہلو امت کی خواتین کے لئے بڑی بڑی لغزشوں کا سبب بن جائے۔ اس لئے یہاں الفاظ میں بظاہر کچھ سختی ہے' لیکن اس سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں کوئی معمولی سا سوئے ظن بھی دل میں ہرگز پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

آیت مبارکہ کی طرف پھر رجوع کیجئے' فرمایا : ﴿اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا﴾ "اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں" ﴿وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ "اور اگر تم ہمارے نبی کے خلاف ایکا کرو گی تو جان رکھو کہ اللہ خود اپنے رسول کا رفیق ہے' پشت پناہ ہے اور ساتھ ہی جبریل ہیں (جو ملائکہ کے سردار ہیں) اور تمام مومنین صالحین یعنی آپؐ کے اصحابؓ آپ کے پشت پناہ ہیں"۔ ﴿وَالۡمَلٰۤئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ۝﴾ "اور تمام ملائکہ بھی ہمارے نبیؐ کے ساتھی اور مددگار ہیں" ——— یہاں اہل ایمان کا ذکر تو صالحیت کی صفت کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن ملائکہ کے لئے فرمایا کہ کُل کے کُل ملائکہ' کیونکہ وہ تو سب کے سب ہی صالح ہیں' ان کے بارے میں تو کوئی دوسری رائے ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ﴿يَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ﴾ "وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

آگے پھر وہی تہدید کا انداز چل رہا ہے جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی سیرت و کردار کی ایک جھلک بھی سامنے آتی ہے کہ تمہارے اندر جو یہ اوصاف ہیں کہ تم اطاعت شعار ہو' ایماندار ہو' فرمانبردار ہو' توبہ کرنے والیاں ہو' زہد و قناعت اختیار کرنے والیاں ہو' ان پر تمہیں نازاں نہیں ہونا چاہئے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم جیسی یا تم سے بہتر خواتین اپنے نبیؐ کیلئے ازواج کے طور پر فراہم نہیں کر سکتا۔ اگر کہیں تمہیں بالفرض اپنے اسلام و ایمان پر' اپنے تقویٰ و احسان پر اور اپنی نیکیوں اور عبادت گزاریوں پر زعم ہو گیا

ہے (اگر اس کا کچھ بھی امکان ہے) تو جان لو کہ اگر نبیؐ تم سب کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیں تو اللہ ان کو تم جیسی بلکہ تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔ یہ مفہوم ہے آیت کے ان الفاظ مبارکہ کا کہ ﴿ عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴾ "ثَیِّبات" ان خواتین کو کہا جائے گا جن کی ایک دفعہ شادی ہو چکی ہو۔ یعنی بیوہ یا مطلقہ ہوں اور "اَبکار" سے کنواری خواتین مراد ہیں۔ حضورؐ کے حبالۂ عقد میں اکثر خواتین شوہر آشنا تھیں لہٰذا ان کا ذکر بھی یہاں کر دیا گیا، کیونکہ ایک خاتون جسے متاہل زندگی کا تجربہ پہلے ہو چکا ہو بعض پہلوؤں سے اس کی رفاقت شوہر کیلئے آسانی کا موجب بن جاتی ہے۔ رہا اَبکار یعنی کنواریوں کا معاملہ تو ہر شخص کیلئے کسی خاتون کا بیوی کی حیثیت سے یہ نہایت پسندیدہ وصف ہے ہی۔

ان تین آیات میں ایک خاص واقعہ کے حوالہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب کیا گیا ہے، جس سے یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ ازدواجی زندگی میں اگرچہ باہمی محبت و الفت، شفقت و مودت، ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ، حسن معاشرت اور نرمی کا سلوک مطلوب ہے، لیکن ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجہ میں بیویوں میں شوخی کا انداز حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ کا اصول مجروح ہو جائے جو ہماری خاندانی زندگی کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر خاندان کا ادارہ کمزور ہو جائے تو اس کے اثرات سارے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں، اس لئے اس اصول کو ایک واقعے کے حوالے سے ذہن نشین کروایا گیا ہے۔

عائلی زندگی کو صحیح بنیادوں پر استوار رکھنے اور "گھر" کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کے لئے ان آیات میں مسلمان عورتوں کو ایک اہم سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امانت دار اور محافظ بنیں۔ قرآن میں ان کی صفت "حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ" یعنی رازوں کی حفاظت کرنے والیاں بتائی گئی ہے۔ بیوی فطری طور پر بھی گھر کے رازوں کی امین ہوتی ہے، لیکن اگر وہ خود ہی اس امانت کی حفاظت نہ کر سکے تو عائلی زندگی جن الجھنوں کا شکار ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حقیقتِ ایمان (۶)

ڈاکٹر اسرار احمد کا سلسلۂ خطابات
مرتّب : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور
(مضمون کے تسلسل کے لئے ملاحظہ ہو حکمت قرآن' اکتوبر نومبر ۱۹۹۶ء)

ایمان بالرّسالت کا خصوصی مقام

جیسا کہ ہم نے بیان کیا شرعی اور فقہی اعتبار سے اصل ایمان' ایمان بالرسالت ہے۔ اگر کوئی شخص موحّدِ کامل ہو' کردار کے اعتبار سے اونچے مقام پر ہو لیکن رسول کو نہ مانے تو وہ کافر ہے۔ اس کی ساری توحید' اخلاق اور کردار کی ایمان کے اعتبار سے کوئی قدر و قیمت نہیں جب تک کہ وہ رسول کو نہ مان لے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان بالرسالت کی شرعی' فقہی اور قانونی حیثیت اتنی زیادہ ہے کہ ایک اعتبار سے ایمان بالرسالت' ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ پر بھی حاکم ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ بھی صرف وہی معتبر ہو گا جو اُن اسماء و صفات کے ساتھ ہو جن کی خبر ہمیں رسول اللہ ﷺ سے ملی ہے۔ اپنے طور پر کسی وجودِ مطلق' Universal Spirit' رُوحِ کائنات' یا واجب الوجود کو مان لینا اللہ تعالیٰ پر ایمان شمار نہیں ہو گا جب تک کہ یہ ایمان "آمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَ صِفَاتِہٖ" (میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے اسماء و صفات سمیت ایمان لایا) کی کیفیت کا حامل نہ ہو۔ اور یہ اسماء و صفات ہمیں یا تو قرآن حکیم سے ملے ہیں جو ہمیں رسولؐ کے ذریعے ملا ہے یا پھر سنّتِ مطہرہ سے معلوم ہوئے ہیں۔ بہرحال ہمیں ایمان باللہ کے باب میں جو بھی معلومات حاصل ہوئیں ایمان بالرسالت کے حوالے سے ملیں۔ چنانچہ محض کسی کو خالق مان لینا "ایمان باللہ" شمار نہیں ہو گا۔ اسی طرح محض کسی کو رُوحِ کائنات مان لینا بھی ایمان باللہ شمار نہیں ہو گا جب تک کہ اس ہستی کے لئے وہ اسماء و صفات نہ تسلیم کئے جائیں جن کا علم ہمیں رسالت کے واسطے سے ہوا ہے۔

اسی اصول کے مطابق ایمان بالآخرۃ بھی صرف وہی معتبر ہو گا جو ان تمام تفصیلات کے ساتھ ہو جن کی خبر ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے فراہم کی ہے۔ محض مجازات' قانون مجازات اور انسانی وجود و حیات کا کوئی تسلسل مان لینا ایمان بالآخرت نہیں کہلا سکتا۔ موت' رُوح کی پرواز' قبر' حسابِ قبر' قبر کی نعمتیں یا سزائیں' بعث بعد الموت' حشر و نشر' حاضری محشر' شفاعت کبریٰ' وزن اعمال' جزاء و سزا' حساب کتاب' پل صراط' جنت اور دوزخ' جنت کی نعمتیں یا دوزخ کی سزائیں اور عقوبتیں' یہ تمام چیزیں جو پوری تفصیلات کے ساتھ ہمیں احادیث نبویہ[1] سے ملی ہیں ان کو دل کی گہرائی سے مانا جائے تب دینی اور شرعی اعتبار سے یہ ایمان بالآخرت کہلائے گا' ورنہ مجرد رُوحِ انسانی کا تسلسل یا وجودِ انسانی کی بقاء کو اگر کوئی مانتا بھی ہے تو یہ ایمان بالآخرۃ نہیں ہے۔

ایمان کے مراتب

ایمان کے مراتب بہت زیادہ ہیں' اس لئے کہ ایمان کی intensity یعنی ایمان کی قوت یا شدت جسے ہم علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین سے تعبیر کرتے ہیں' یہی ایمان کے مراتب ہیں۔ ایمان کی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے بھی بے شمار مراتب ہیں' مثلاً ایک عام دیہاتی کے ایمان اور ایک عالم' دانا اور حکیم انسان کے ایمان میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ اسی طرح کسی صحابی رسول کے ایمان کے مقابلہ میں عام مسلمان بلکہ کسی کامل ولی کے ایمان میں بھی بہت نمایاں فرق ہو گا ؎ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی! خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان اور دوسری طرف کسی عام صحابی کے ایمان میں' ظاہر بات ہے' زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ حدیث میں

---

(۱) تفصیل اور دلیل کے ساتھ ان چیزوں کا مطالعہ کرنا ہو تو الاستاذ عبد الملک الکلیب کی عربی تالیف اھوال القیامۃ کا مطالعہ از حد مفید ہے جسے ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ ترجمہ نہایت آسان اور سلیس ہے۔ نیز احادیث کی محدثانہ انداز میں تحقیق و تخریج بھی کر دی گئی ہے۔

آیا ہے کہ میدان حشر میں اہل ایمان کو نور عطا ہو گا[۲]۔ یہ مضمون سورۃ الحدید اور سورۃ التحریم میں دو جگہ بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ ﴾

"اُن کا نور اُن کے سامنے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔"

اسی آیت کی تشریح میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو نور اہلِ ایمان کو عطا ہو گا اس کے مختلف درجے ہیں۔ کسی کو اتنا نور عطا ہو گا کہ روشنی مدینہ منورہ سے صنعاء تک پہنچے گی (صنعاء یمن کا ایک شہر ہے' فی زمانہ بھی ہم کسی ایسی روشنی کا تصور نہیں کر سکتے کہ انسان کی بنائی ہوئی کوئی روشنی اتنی دور تک پہنچ سکے' سورج یا چاند کی روشنی کی بات اور ہے) اور کسی کے پاس صرف اس قدر نور ہو گا کہ قدموں کے آگے روشنی ہو جائے جیسا کہ ٹارچ کی روشنی ہوتی ہے۔ جسے اتنی روشنی مل جائے وہ بھی بڑا خوش نصیب ہو گا۔ اس لئے کہ وہ پُل صراط سے تو گزر جائے گا' ٹھوکریں کھا کر گرے گا تو نہیں۔ بہرحال میدانِ حشر میں ملنے والے نور کی قوت و طاقت ایمان حقیقی کے اعتبار سے ہو گی' جیسا ایمان ہو گا ویسا ہی نور ہو گا اور ان کے درمیان مختلف درجات و مراتب ہوں گے۔

---

(۲) علامہ جلال الدین السیوطی اپنی معروف تفسیر الدر المنثور ۵۲/۸ ط دار الفکر بیروت میں سورۃ الحدید آیت ۱۲ کی تفسیر میں یہ حدیث لائے ہیں :

عن قتادة رضی الله عنه ان نبی الله صلی الله علیه و سلم قال : ((ان من المومنین یوم القیامة من یضیء له نوره کما بین المدینة الی عدن ابین الی صنعاء فدون ذلک حتی ان من المومنین من لا یضیء له نوره الا موضع قدمیه و الناس نازل باعمالهم)) (بحوالہ مصنف عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن المنذر) (و بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما المستدرک ۴۷۸/۲)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "قیامت کے روز اہل ایمان میں سے کسی کا نور تو مدینہ منورہ سے لے کر عدن تک صنعاء سے بھی آگے تک روشنی کر رہا ہو گا اور کسی کا اس سے کم ہو گا' حتیٰ کہ بعض اہل ایمان کا نور قدموں کی جگہ تک ہی روشنی کرے گا اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات پر ہوں گے"

(اضافہ از مرتب غفرلہ)

ایمان کے دو رُخ

ایمان کے ان دونوں رُخوں یا پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے چند اصولی باتیں سمجھ لیجئے :

(۱) ظاہری ایمان —— بمقابلہ —— باطنی ایمان

(۲) قانونی ایمان —— بمقابلہ —— حقیقی ایمان

(۳) لسانی ایمان —— بمقابلہ —— قلبی ایمان

(۴) دنیا میں معتبر ایمان —— بمقابلہ —— آخرت میں معتبر ایمان

ایمان کو سمجھنے کے لئے ہمیں مذکورہ بالا اُمور پر مختلف زاویوں سے غور کرنا ہے۔ ایمان مجمل کے الفاظ پر ذرا غور کریں۔ فرمایا گیا : "آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ" ۔ معلوم ہوا کہ اقرارٌ باللّسان اور تصدیقٌ بالقلب ایمان کے دو رُخ ہیں۔ ان دونوں میں سے سب سے اہم جس پر ساری بحث کا دارومدار ہے وہ ہے تصدیق بالقلب' یہ خفیہ اور باطنی چیز ہے اور دل کی کیفیت ہے۔ اس کی صحیح تحقیق دنیا میں نہیں ہو سکتی' ہمارے پاس اس کی Verification' توثیق یا تردید اور اثبات یا نفی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے' اس لئے کہ ہماری رسائی وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی۔ آخرت میں اُس ذات سے سابقہ پیش آئے گا جو "عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" ہے' یعنی جو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پلنے والی سوچ کو بھی جانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ ﴾ (التغابن : ۴)

"وہ آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے' اللہ تو دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔"

لہٰذا آخرت میں حساب کا سارا دارومدار تصدیق بالقلب پر ہو گا۔ فرض کریں ایک شخص دنیا میں مسلمانوں کا قائد بنا ہوا ہے' اگر وہ آخرت میں تصدیق بالقلب سے خالی پہنچا تو اس

کا دعویٰ ایمان کسی کام کا نہ ہو گا۔ البتہ دنیا میں تصدیق بالقلب تحقیق و تفتیش کا موضوع نہیں بن سکتا' اس لئے کہ اس کو ہم Verify کر ہی نہیں سکتے' اس کے بارے میں اثبات یا نفی کا حکم لگا ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا اس دنیا میں جس بنیاد پر کسی کے ایمان کا فیصلہ یا معرفت ہو گی وہ زبان کا قول و اقرار ہے۔ دنیا کے اندر یہی فیصلہ کن ہو گا۔

حقیقتِ ایمان سمجھنے میں چند اشکال اور ان کی وضاحت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا' تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ﴾ (النساء : ۹۴)

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو (جہاد کے لئے نکلو) تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے "السلام علیکم" [۳] کہے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم دُنیوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف سلام کرنے والے یا اطاعت پیش کرنے والے کو

---

(۳) ﴿ اَلْقٰی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ ﴾ کے دو ترجمے کئے گئے ہیں' یعنی تمہیں سلام کرے یا تمہارے سامنے اطاعت پیش کرے اور لفظی معنی ہے سلام کرے یا السلام علیکم کہے۔ یہ بھی گویا کہ اظہار اسلام کا ذریعہ تھا کہ میں بھی مسلمان ہوں ——— مولانا تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے "جو اطاعت ظاہر کرے"۔ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود حسن شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کیا ہے "جو سلام کرے" اور اسی ترجمہ کو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اختیار کیا ہے۔ میرے خیال میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اختیار کردہ ترجمہ "جو اطاعت ظاہر کرے" زیادہ بہتر ہے۔ "تم اسے مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو"۔ اصول یہ طے پایا کہ اگر اسے مسلمان مان لیا تو اس کی جان و مال دونوں محفوظ اور اگر سلام کرنے والے کو مسلمان تسلیم نہ کیا جائے تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس کا مال مالِ غنیمت شمار کیا جا سکتا ہے۔ (ماخوذ)

مومن تسلیم کرکے اسے پورے حقوق دے دیئے۔ دوسری طرف اہل ایمان کی پہچان ان الفاظ میں بیان کی‘ فرمایا :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ‘ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ○ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر‘ پھر ہرگز شک نہ کریں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کو کھپاکر اور مال لگاکر‘ صرف یہی لوگ دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔"

سورۃ الحجرات کی اس آیت میں ایمان کے دو لازمی نتائج بیان کئے گئے ہیں‘ یعنی باطنی طور پر دل میں یقین کی کیفیت اور ظاہری طور پر عمل میں جہاد کا مظاہرہ۔ انہی دونوں نتائج کو مزید تفصیل سے سورۃ الانفال کی آیات ۲ تا ۴ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا‘ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ○ ﴾

"مومن تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل کانپ جائیں‘ جب اس کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہوں‘ جو نماز قائم کرتے ہوں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہوں‘ یہ ہیں سچے مومن‘ ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات بھی ہیں اور بخشش بھی اور رزق کریم بھی ہے"۔

ان آیات کو سورۃ الانفال ہی کی آیت ۷۴ کے ساتھ ملاکر پڑھیں تو بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا :

﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا‘ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ○ ﴾

"وہ لوگ جو ایمان لائے 'جنہوں نے ہجرت کی 'جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی (مہاجرین اور انصار) یہی ہیں سچے مومن' ان کے لئے خطاؤں سے درگزر و مغفرت ہے اور بہترین رزق"۔

اب غور کیجئے 'ایک طرف قرآن کہہ رہا ہے کہ جو تمہیں سلام کرے یا صرف اطاعت ظاہر کرے تم اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم مومن نہیں ہو (النساء : ۹۴) اور دوسری طرف قرآن مجید نے قبولیت ایمان کے لئے اتنی عظیم اور بھاری بھر کم تفصیلات جاری کر دی ہیں (سورۃ الحجرات آیت ۱۵ اور سورۃ الانفال آیات ۲' ۳' ۴ اور ۷۴)۔ اس اشکال کو حل کرنے سے پہلے حدیث رسول اللہ ﷺ میں موجود "ظاہری تضاد" کو بھی سامنے رکھ لیں۔ ایک طرف آپ ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [۴] "جس کسی نے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔ اس حدیث میں تو پھر بھی امکان ہے کہ کچھ سزا جھیل کر یا کچھ وقت جہنم میں گزار کر پھر جنت میں چلا جائے 'لیکن ایک دوسری حدیث جسے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' کے الفاظ ہیں :

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((مَنْ شَهِدَ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ)) [۵]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں فرماتے سنا : جو آدمی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا"۔

---

(۴) کشف الاستار ۱/۱۱' ج ۷ و مسند احمد ۵/۲۳۶ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے' ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ح ۲۳۵۵۔

(۵) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنہ قطعًا ح ۲۹ و مسند احمد ۵/۳۱۸ و سنن الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فیمن یموت..... ح ۲۶۳۸ اور دیگر صحابہ کرام سے بھی یہ روایت موجود ہے 'ملاحظہ ہو مسند احمد ۳/۱۳۵ اور ۴۵۱' ۴/۴۰۲ - ۵/۲۳۶۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس پر آگ حرام ہے' لہٰذا جہنم میں جانے کا سوال ہی نہیں۔ اس سے ایک قدم اور آگے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں بڑے بڑے گناہوں کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ اَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ : ((مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) قُلْتُ : وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قَالَ : ((وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ)) قُلْتُ : وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قَالَ : ((وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ)) قُلْتُ : وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قَالَ : ((وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِي ذَرٍّ))[۶]

"میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ دوبارہ حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا : "جس بندے نے بھی لا اِلٰہ اِلا اللہ کہا پھر وہ اسی پر مرگیا وہ جنت میں داخل ہو

---

(۶) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الثیاب البیض ح ۵۴۸۹ نیز متعدد مقامات پر' و صحیح مسلم کتاب الایمان باب من مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ... ح ۹۴ و سنن الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ ح ۲۶۴۴ و مسند احمد ۱۶۶/۵ و صحیح ابن حبان ۳۹۲/۱ کتاب الایمان باب فرض الایمان ح ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۹۵ و ۲۱۳ و مسند ابو دائود الطیالسی ح ۴۴۴ و شرح السنہ للبغوی ۹۹/۱ باب من مات لا یشرک باللہ شیئا ح ۵۴ و کتاب الایمان لابن مندہ ح ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و مسند ابی عوانہ ۱۹/۱ حدیث کی اہمیت کی وجہ سے سارے دستیاب حوالے ذکر دیئے ہیں ورنہ صرف بخاری و مسلم کا حوالہ بھی کفایت کر جاتا (مرتب غفرلہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ انتہائی درویش صفت اور عابد و زاہد صحابی تھے' آپؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى زُهْدِ عِيْسٰى فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ" (جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد دیکھنا ہو وہ ابوذر کو دیکھ لے) سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ح ۲۳۴۳ بعض روایات میں "تواضع" کا لفظ بھی آیا ہے۔ (ماخوذ)

گیا"۔ میں نے دریافت کیا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا : "خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو"۔ میں نے دوسری دفعہ دریافت کیا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا : "خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو"۔ میں نے تیسری دفعہ دریافت کیا : خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا "ابوذر کے ناک کے علی الرغم خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو (وہ جنت میں داخل ہو گا)"۔

اب ایک طرف اس معنیٰ کی احادیث موجود ہیں (ہم نے صرف چند ایک کا تذکرہ کیا ہے) جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کلمۂ توحید کہنے سے انسان جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس پر آگ حرام ہے خواہ اس نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہو' دوسری طرف ایسی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف کبائر بلکہ محض کج خلقی پر بھی ایمان کی نفی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت میں گناہ کبیرہ کی بات آئی تھی' فوری تقابل کرتے ہوئے گناہ کبیرہ کے ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت بھی دیکھ لیں :

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلاَ يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلاَ يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرْفٍ يَرْفَعُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَيْهَا اَبْصَارَهُمْ وَهُوَ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا مُؤْمِنٌ)) (۷)

---

(۷) صحیح البخاری کتاب المظالم باب النھبی بغیر اذن صاحبہ ح ۲۳۴۳ نیز ح ۵۲۵۶ و ۶۳۹۰ و ۶۴۲۵ و صحیح مسلم کتاب الایمان بیان نقصان الایمان بالمعاصی .... الخ ح ۵۷ (سات سندوں کے ساتھ) و سنن ابی دائود کتاب السنہ باب الدلیل علی زیادۃ الایمان و نقصانہ ح ۴۶۸۹ و سنن الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء لایزنی الزانی وھو مومن ح ۲۶۲۵ و سنن النسائی کتاب الاشربہ باب ذکر الروایات المغلظات فی شرب الخمر ح ۵۶۷۵ و ۵۶۷۶ و سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب النھی عن النھبۃ ح ۳۹۳۶ و صحیح ابن حبان ۱/ ۴۱۴ ح ۱۸۶ و سنن البیھقی ۱۰/ ۱۸۶ و سنن الدارمی ۲/ ۸۷ ح ۱۹۸۳ و ۲/ ۱۱۵ ح ۲۱۰۸ و=

"کوئی زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا' کوئی چور حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا' کوئی شرابی حالت ایمان میں شراب نہیں پیتا اور کوئی اچکا حالت ایمان میں ایسی چیز نہیں اٹھاتا جس کی کوئی قیمت ہو اور مسلمانوں کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔"

تو گویا ایسے کبائر کی وجہ سے ایمان کی نفی ہو گئی۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان میں امانت داری کا وصف نہیں ہے تو اس کے بارے میں بھی ایمان کی نفی وارد ہوئی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلاَّ قَالَ : ((لاَ اِيْمَانَ لِمَنْ لاَّ اَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِيْنَ لِمَنْ لاَّ عَهْدَ لَهُ)) (۸)

"شاذ ہی کبھی ایسا ہوا ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور آپ نے اس میں یہ الفاظ نہ فرمائے ہوں : "لاَ اِيْمَانَ لِمَنْ لاَّ اَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِيْنَ لِمَنْ لاَّ عَهْدَ لَهُ" یعنی جو امانت دار نہیں ہے اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کی وفا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں یہ موضوع اور زیادہ وضاحت اور شدت کے ساتھ آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ)) قِيْلَ وَمَنْ يَّارَسُوْلَ

= مسند احمد ۳۷۶/۲ و کتاب الایمان لابن مندہ ح ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲/۱۱ و الشریعہ للاجری ص ۱۱۳ و شرح السنہ للبغوی ۸۷/۱ باب الکبائر ح ۴۶ و ۴۷۔ یہاں بھی بخاری و مسلم کا حوالہ بہت کافی تھا لیکن حقیقت ایمان سمجھنے میں یہ حدیث اہم مقام رکھتی ہے اس لئے دستیاب حوالوں سے تخریج کر دی ہے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس' ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

(۸) مسند احمد ۱۳۵/۳ و ۱۵۴ و ۲۱۰ و البیہقی السنن الکبری ۲۸۸/۶ و ۲۳۱/۹ و صحیح ابن حبان ۴۲۲/۱ کتاب الایمان باب فرض الایمان ح ۱۹۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵۹/۶ ح ۳۰۳۱۱۔ اور حدیث حسن ہے۔

اللّٰہِ؟ قَالَ ((اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ)) (۹)

"خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا' خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا' خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول' کون شخص؟ فرمایا: "وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی چین میں نہیں ہے"۔

ذرا غور کریں کہ اس حدیث میں نہ کسی گناہ کبیرہ کا تذکرہ ہے نہ عرف عام کے مطابق کسی بڑے جرم کی بات ہے۔ پھر بھی کس قدر زور دے کر بلکہ تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا: ایسا آدمی مومن نہیں ہے۔

آگے بڑھ کر ایک اور حدیث کو دیکھیں۔ مختلف کتب حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے جو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ (۱۰) کے ساتھ یا بعض روایات کے مطابق حضرت اسامہ اور ایک دوسرے انصاری صحابی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک جنگ میں ان کا مقابلہ ایک کافر کے ساتھ ہو گیا اور اس پر قابو پالیا گیا۔ جب کافر نے دیکھا کہ اب تو میرا کوئی بس نہیں چل سکتا تو اس نے جھٹ "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ رَسُوْلُہٗ" کہہ دیا۔ اس موقع پر انصاری صحابیؓ نے تو اپنا نیزہ روک لیا البتہ حضرت اُسامہؓ نے وار کر کے اس کافر کو ہلاک کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق اس کے بعد

---

(۹) صحیح البخاری کتاب الادب باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ ح ۶۰۱۶ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان تحریم ایذاء الجار ح ۴۶ (لفظ مختلف ہیں) و مسند احمد ۲/۲۸۸ و ۳۳۶ و المستدرک للحاکم ۱/۱۰ و ۴/۱۶۵ یہی حدیث حضرت ابوالشریح سے بھی مروی ہے' ملاحظہ ہو صحیح البخاری حوالہ سابقہ و مسند احمد ۴/۳۱ و ۶/۳۸۵۔

(۱۰) حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما حضور کو بہت پیارے تھے بالکل پوتوں کی طرح' کیونکہ حضرت زیدؓ کو آپ ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ ایک عرصے تک تو وہ زید بن محمد ہی کہلاتے رہے' پھر جب سورۃ الاحزاب میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ اسلام میں متبنّی کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ انہیں ان کے والد کے نام سے پکارا جائے تو اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا اور حضرت اُسامہ ان کے بیٹے تھے (ماخوذ)

حضرت اُسامہؓ کو ذہنی خلش لاحق ہو گئی اور انہوں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کسی طرح آپ ﷺ کو معلوم ہو گئی تو آپ نے از خود حضرت اُسامہ سے دریافت کیا اور معلوم ہو جانے پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ فرمایا :

«مَنْ لَكَ بِلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّمَا قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلاَحِ۔ قَالَ : «اَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَالَهَا اَمْ لاَ؟ مَنْ لَكَ بِلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى وَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اُسْلِمْ اِلاَّ يَوْمَئِذٍ» (۱۱)

"قیامت کے روز لا اِلٰہ اِلا اللہ کے استغاثے سے تم کو کون بچائے گا؟" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس نے تو ہتھیار کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا : تم نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے ڈر سے کہا یا صدق دل سے کہا۔ سوچو قیامت کے روز لَا اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ کے استغاثے سے تم کو کون بچائے گا؟" آپؐ نے یہ جملہ اس تکرار کے ساتھ کہا کہ میں تمنا کرنے لگا کہ اے کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا"۔

آپ ﷺ نے حضرت اُسامہؓ کے پیش کردہ عذر کی نفی نہیں کی، بس اس بات پر زور دیا کہ کل قیامت کے روز جب "لا اِلٰہ اِلا اللہ" کا کلمہ استغاثہ لے کر اللہ کے حضور پیش ہو جائے گا تو کیا جواب دو گے، کیا منہ دکھاؤ گے، کیونکہ یہ کلمہ تو کلمۂ سلامتی ہے، اسلام کا کلمہ ہے، جس نے یہ کلمہ ادا کر دیا اسے تو سلامتی مل گئی۔ (۱۲)

---

(۱۱) سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب علی ما یقاتل المشرکون ح ۲۶۴۳ یہی حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ ملاحظہ کریں : صحیح البخاری کتاب المغازی باب ۴۴ ح ۳۰۲۱ و کتاب الدیات باب ۱ ح ۶۴۷۸ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا اِلٰه الا الله ح ۹۶۔

(۱۲) محترم ڈاکٹر صاحب حفظہ اللّٰہ کے جملے کی بنیاد درج ذیل حدیث ہے : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : "مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے =

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر غور کریں تو متعدد سوالات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ آیا تصدیق و اقرار سے ہی نجات اخروی مل جائے گی یا عمل صالح بھی مطلوب ہے؟

۲۔ عمل صالح ایمان کا جزو ہے یا اضافی چیز ہے؟

۳۔ ارتکابِ کبائر سے ایمان ختم ہو جاتا ہے؟ یا وقتی طور پر اوپر اُٹھ جاتا ہے؟ یا علیٰ حالہٖ باقی رہتا ہے؟

۴۔ کیا ایمان اعمال صالحہ سے بڑھتا ہے؟ اور گناہوں سے کم ہوتا ہے؟ یا اس کی کیفیت و ماہیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

یہ سوالات یقیناً خاصے ثقیل ہیں اور ان کو سمجھے بغیر حقیقت ایمان کو پانا بھی ناممکن ہے' اس لئے ان کے جوابات جاننا اشد ضروری ہیں۔ ان جوابات کو جاننے اور اچھی طرح سمجھنے سے پہلے "حقیقت ایمان' اعمال صالحہ کا اس کے ساتھ تعلق اور گناہوں کے ایمان پر اثرات" کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

مختلف مکاتیب فکر کے ہاں 'ایمان' کی تعبیر و توجیہہ

تاریخ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادات کی تعبیر و توجیہہ کے سلسلہ میں متعدد گروہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان گروہوں کے اعتقادات اور دلائل کا پہلے مطالعہ کرلیں تاکہ نتائج تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

۱) خوارج [۱۳]

عقیدہ : عمل صالح ایمان کا جزو لازم یا جزو لاینفک ہے۔ اگر اس جزو کو ساقط کر دیا جائے

= جنگ کرتا رہوں جب تک وہ لاالٰہ الااللہ نہ کہہ دیں اور جس نے لاالٰہ الااللہ کہہ دیا اس کو جان و مال کی سلامتی مل گئی مگر حق اسلام کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے" (بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور نسائی)

(۱۳) خوارج سے منسوب فرقہ اس وقت دنیا میں کہیں نہیں ہے بس عمان کے علاقے میں رہتا ہے=

تو کُل بھی ساقط ہو جاتا ہے ـــــــ اور اسلام کا دارومدار ایمان پر ہے' لہٰذا اگر عمل صالح نہیں ہے' بالخصوص اگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا ہے تو نہ ایمان باقی بچا اور نہ اسلام کام آیا اور انسان کفر میں داخل ہو گیا۔

نتیجہ : گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر قرار پایا' ملت اسلام سے باہر نکل گیا' مرتد قرار پایا' اس کی جان مال سب کچھ مباح و حلال ہو گئے اور وہ واجب القتل ہو گیا۔

خوارج کے بارے میں اہل اسلام کا فیصلہ : عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک امت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ خوارج اسلام سے باہر ہیں' کافر ہیں اور واجب القتل ہیں۔ اسی لئے خلیفہ برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے خلاف قتال کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔

۲) معتزلہ

عقیدہ : ان کا عقیدہ اور خوارج کا عقیدہ ایک ہے کہ عمل صالح ایمان کا جزو لازم ہے۔ اگر اس جزو کو ساقط کر دیا جائے تو کُل ساقط ہو جاتا ہے ـــــــ اور اسلام کا دارومدار ایمان پر ہے لہٰذا اگر عمل صالح نہیں ہے اور بالخصوص اگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا ہے تو نہ ایمان باقی بچا اور نہ اسلام کام آیا۔ تاہم معتزلہ کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوا صرف اسلام و ایمان سے نکلا ہے۔

نتیجہ : گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے تو نکل گیا البتہ کافر نہیں ہوا' لہٰذا مرتد اور کافر والے احکام اس پر لاگو نہیں ہوں گے۔ گویا ان کے نزدیک کفر و اسلام کے درمیان بھی

= فرقے کے نام سے ایک گروہ پایا جاتا ہے جن کے اعتقادات خوارج سے قریب تر ہیں لیکن اس قدر متشدد نہیں بلکہ معتدل قسم کے لوگ ہیں۔ دوسری بات یہ نوٹ کر لیں کہ خوارج ذاتی زندگیوں میں انتہائی پارسا تھے' فرائض کے پابند اور کبائر سے کوسوں دور رہنے والے' کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے انسان اسلام سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی عمل میں پارسائی کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے بلکہ حقائق کو دلائل کی روشنی میں سمجھنا چاہئے ظاہر پر نہیں جانا چاہئے۔ (ماخوذ)

کوئی منزل ہے اور وہ کفر و اسلام کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔ معتزلہ کے موقف کو ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ خوارج والا موقف ہی ہے 'بس اس پر کافروں والے احکام نافذ نہیں ہوتے یعنی وہ نہ مرتد ہے نہ واجب القتل' نہ اس کی ذات حلال الدم اور نہ اس کا مال حلال۔ البتہ یہ طے ہے کہ معتزلہ کے نزدیک بھی خوارج کی طرح کبیرہ گناہ کا مرتکب اسلام اور ایمان سے خارج ہو گیا۔

۳) محدثین

عقیدہ :۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری اور دیگر محدثین رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے کہ : "الایمانُ قولٌ و عملٌ یزید بالطاعةِ و یَنْقصُ بِالْمَعْصِیَةِ" یعنی "ایمان قول و عمل کا نام ہے' جو اطاعت و نیکی سے بڑھتا ہے اور گناہ کرنے سے کم ہو جاتا ہے"۔

ان حضرات کے نزدیک بھی عمل ایمان کا لازمی جزو ہے لیکن گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان نہ ایمان و اسلام سے نکلتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل ہوتا ہے [۱۴]۔

نتیجہ : گناہ کبیرہ سے انسان ایمان و اسلام سے نکلے گا تو نہیں البتہ گناہ کی کمیت و کیفیت کی نسبت سے ایمان کم ہو جائے گا۔

۴) فقہاءِ احناف

عقیدہ : ایمان نام ہے تصدیق و اقرار کا' یعنی دل سے تصدیق اور عمل میں اقرار۔

---

(۱۴) محدثین کی عظیم اکثریت صرف "تارک نماز" کو اسلام سے خارج قرار دیتی ہے جبکہ وہ بالکلیہ ہی چھوڑ بیٹھے۔ اس کے علاوہ دس کام ایسے ہیں جو انسان کو اسلام سے خارج کر دیتے ہیں جو کہ "نواقض اسلام" کے نام سے مشہور ہیں۔ محدثین کے ساتھ ساتھ فقہاء احناف بھی ان کے قائل ہیں : (۱) شرک اپنی جملہ اقسام کے ساتھ (۲) اللہ اور بندوں کے درمیان واسطے بنانا (۳) کافروں یا مشرکوں کو کافر نہ ماننا' (۴) شریعت محمدی میں نقص نکالنا (۵) شرعی احکام سے بغض رکھنا (۶) شرعی احکام کا مذاق اڑانا (۷) جادو کرنا یا کروانا (۸) مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرنا (۹) کسی کو شرعی احکام سے مستثنیٰ قرار دینا (۱۰) اللہ کے دین سے بے رخی اختیار کرنا۔ (اضافہ از مرتب ابو عبد الرحمٰن)

چاہے کوئی آدمی گناہ کبیرہ بھی کرے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا البتہ اعمال سے ایمان کی کمیت میں کمی بیشی ہوتی ہے (نیک اعمال سے اضافہ اور گناہوں کی وجہ سے کمی) تاہم تصدیق جوں کی توں رہتی ہے۔

نتیجہ : کبیرہ گناہوں کے باعث کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی' البتہ جن احادیث میں کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ایمان کی نفی کی گئی ہے اس کی توجیہہ فقہاء احناف کے نزدیک یہ ہے کہ "یہ کمال ایمان کی نفی ہے' نفس ایمان کی نفی نہیں۔ اس طرح "واللہِ لا یؤمنُ" کا ترجمہ ان کے نزدیک ہوگا "خدا کی قسم اس شخص کا ایمان کامل نہیں"۔ احناف کے موقف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی انسان کے دل میں ایمان ہے تو بالآخر وہ سزا پاکر جہنم سے نکل آئے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

نوٹ : محدّثین کا موقف اور فقہاءِ احناف کا موقف اہل سنّت و جماعت ہی کا موقف سمجھا جاتا ہے۔ ان میں کہیں کہیں فرق تو ضرور ہے لیکن باہم قریب تر ہیں۔

۵) مُرجئہ

عقیدہ : ایمان صرف اعتقاد و اقرار کا نام ہے' ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جس طرح کہ کفر کے ہمراہ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ مومن صرف ایمان کی بدولت جنت میں جائے گا اور کافر اپنے کفر کی پاداش میں جہنم میں جائے گا' اس سے اعمال کا کوئی تعلق نہیں۔

نتیجہ : مُرجئہ کے نزدیک دل میں ایمان رکھنے والا اور زبان سے اقرار کرنے والا مکمل مومن ہے اور چاہے فرائض کی پابندی کرے یا نہ کرے' جنت کا حقدار ہے۔ کبیرہ گناہ جتنے چاہے کرتا رہے' وہ کسی شکل میں جہنم میں نہیں جائے گا۔

مُرجئہ اور اہل سنت میں اصولی فرق : مُرجئہ کے نزدیک مومن جہنم میں داخل ہی نہیں ہوگا جبکہ اہل سنت یعنی احناف اور محدثین کے نزدیک ایمان کے بعد نجات کا دارو مدار اعمال پر ہے۔ اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری رہا تو بمشیۃ اللّٰہ وہ بغیر سزا کے ہی جنت میں چلا

جائے گا اور اگر نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلڑا بھاری رہا تو اپنے گناہوں کی سزا پا کر وہ بالآخر جہنم سے نکل آئے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔

نصوصِ تبشیر (جن آیات و احادیث میں خوشخبریاں وارد ہوئی ہیں) اور نصوصِ وعید و نذیر (جن آیات و احادیث میں دھمکی و سخت گیری وارد ہوئی ہے) کو جمع کرنے کے بعد اہل سنت کا موقف ہی برحق ہے۔

٦) کرامیہ

عقیدہ : کرامیہ کے نزدیک ایمان نام ہے بس لا اِلٰہ الا اللہ کہنے کا' یعنی صرف قول کا۔ دل میں تصدیق ہے یا نہیں' اعمال صالحہ کا اہتمام ہے یا نہیں اور کبائر سے پرہیز کیا ہے یا نہیں کیا' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لا اِلٰہ الا اللہ زبان سے پڑھ دیا بس کافی ہو گیا۔

نتیجہ : مذکورہ بالا ایمان کے بعد بس جنت پکی اور جہنم سے آزادی یقینی ہے' زندگی جس طرح چاہو گزارتے رہو۔

مُرجئہ اور کرامیہ میں فرق : عملاً مُرجئہ اور کرامیہ میں کوئی فرق نہیں' کیونکہ مُرجئہ کے نزدیک تصدیق شرط ہے جس کا فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا دونوں کا موقف یہی ہے کہ بس لا اِلٰہ اِلا اللہ کہو اور جنت کے "زبردستی حقدار" بن جاؤ۔

۷) اشاعرہ

عقیدہ : ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے اور اقرار شرط کا درجہ رکھتا ہے جزو نہیں۔ کیونکہ شرعی احکام اقرار سے منسلک ہیں لہٰذا اقرار شرط ہے۔

مُرجئہ اور اشاعرہ میں فرق : مُرجئہ کے نزدیک تصدیق قلبی اور زبانی اقرار ایمان کے اجزاء ہیں جبکہ اشاعرہ کے نزدیک صرف تصدیق کا نام ایمان ہے' اقرار تو اظہارِ ایمان کا ذریعہ ہے۔

اشاعرہ کے مسلک کی بنیاد

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِیْفُهٗ عَلَی الرَّحْلِ' قَالَ : ((یَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ)) قَالَ : لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ' قَالَ : ((یَا مُعَاذُ)) قَالَ : لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ' ثَلَاثًا' قَالَ : ((مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ' اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ)) قَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ : ((اِذًا یَتَّکِلُوْا)) وَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا)) (۱۵)

"ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سواری پر تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' آپؐ نے فرمایا "اے معاذ بن جبل" انہوں نے جواب دیا : "اے اللہ کے رسول میں حاضر اور متوجہ ہوں"۔ آپ ﷺ نے دوبارہ کہا : "اے معاذ" انہوں نے جواباً کہا : "میں حاضر اور متوجہ ہوں" اور پھر اسی طرح تیسری دفعہ کہا۔ پھر آپؐ نے فرمایا : "جو کوئی بھی دل کی سچائی کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا ہے۔" حضرت معاذؓ نے دریافت کیا : کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دے دوں تاکہ وہ بھی خوشیاں منائیں؟ آپؐ نے فرمایا : "تب تو وہ اسی بات پر سہارا کر کے بیٹھ جائیں گے"۔ حضرت معاذ نے یہ حدیث موت کے وقت بتلائی تاکہ علم چھپانے کے جرم میں گناہگار نہ ہو جائیں"۔

اس حدیث سے اشاعرہ اور مُرجئہ کے موقف و مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

وضاحت

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو ایک علم دیا اور ساتھ ہی منع بھی کر دیا کہ اسے

(۱۵) صحیح البخاری کتاب العلم باب من خص بالعلم قوما دون قوم ح ۱۲۸ و صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعًا ح ۳۲۔ و دیگر کتب حدیث۔

عام نہ کیا جائے' کیونکہ ہر آدمی تو دلائل شریعت کو پوری گہرائی سے نہیں سمجھ سکتا اور حضرت معاذ نے اس راز کو سینے میں دبائے رکھا تاکہ آپ ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہ ہو جائے اور پھر زندگی کے آخری لمحات میں اسے بیان کر دیا کہ کہیں کتمانِ علم کا جرم ان کے ذمے نہ لکھ دیا جائے۔ یہاں سے یہ قاعدہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر بات ہر انسان کو نہیں بتائی جا سکتی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے : "حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"(۱۶)"لوگوں کو اتنی بات بیان کرو جو ان کی سمجھ میں آ سکے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیا جائے"۔

۸) اہلِ تشیّع

عقیدہ : اہل تشیّع کا عقیدہ معتزلہ والا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے تو نکل جاتا ہے البتہ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ البتہ اہل تشیّع نے ایک قدم آگے بڑھایا اور دنیا میں ہی فیصلے کرنے شروع کر دیئے کہ فلاں مومن ہے' فلاں مسلمان ہے' فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کے صحیح فیصلے تو قیامت کے روز ہوں گے' دنیا میں تو ہم صرف ظاہر کے اعتبار سے فیصلہ کریں گے' کسی کا دل چیر کر تو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی جرأت کا نتیجہ ہے کہ اہل تشیّع کے نزدیک صرف چند صحابہ مومن تھے باقی کچھ مسلمان' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غالب اکثریت "منافق" تھی۔

اس طویل بحث کے نتیجے میں گناہ کبیرہ سے متعلق آٹھ مسلکوں یا فرقوں کا عقیدہ ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ ان آٹھ گروہوں کو ایک دوسری ترتیب سے دیکھیں تو یہ کل چار نظر آئیں گے :

۱) صرف اقرار : یہ کرامیہ کا قول ہے۔ یہ لوگ صرف اقرار و نطق کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ وہ احادیث کو ان کے ظاہری معنی میں لیتے ہیں جن میں کہا گیا ہے "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا

---

(۱۶) صحیح البخاری کتاب العلم ح ۱۲۷' مذکورہ بالا نوٹ کا غالب حصہ تو ڈاکٹر صاحب کے بیان میں موجود تھا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول میری طرف سے تائیدی اضافہ ہے (از مرتب)

اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ"۔ کلمہ پڑھ کر اعمال سے چھٹی ہو گئی' اب جو چاہو کرتے رہو۔

۲) صرف تصدیق : یہ اشاعرہ کا مسلک ہے۔ ان کے خیال میں جب دل میں ایمان موجود ہے تو اقرار تو خود بخود ہو ہی جائے گا۔ اِلاَّ یہ کہ انسان مجبور ہو اور مجبور انسان پر عمومی احکام لاگو نہیں ہوتے۔

۳) تصدیق اور اقرار : یہ مُرجئہ اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ مُرجئہ کا عقیدہ ہے کہ جب دل میں تصدیق اور زبان پر اقرار موجود ہے تو پھر چاہے گناہ پر گناہ کرتے جاؤ' کوہِ ہمالیہ جتنے گناہ بھی کرلو' پھر بھی آگ میں داخل ہونے کا سوال ہی نہیں۔

تاہم فقہاء احناف کے نزدیک تصدیق و اقرار تو شرطِ ایمان ہے' البتہ اعمال صالحہ ضروری ہیں' شرط نہیں۔ لہٰذا اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے تو باذن اللہ جنت میں جائے گا ورنہ سزا پاکر جنت میں جائے گا۔

۴) تصدیق' اقرار اور عمل : یہ مسلک محدثین' معتزلہ اور خوارج کا ہے۔ محدّثین اعمال کو ایمان کا حصہ شمار کرتے ہیں۔ البتہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کسی کو ایمان سے خارج نہیں کرتے۔

معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے تو خارج ہو گیا البتہ کفر میں داخل نہیں ہوا کیونکہ ان کے نزدیک اعمال صالحہ ایمان کے لئے شرط کا درجہ رکھتے ہیں۔

خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور مُرتد' واجب القتل مباح المال والدم قرار پاتا ہے۔ (جاری ہے)

دعائے مغفرت

ماہنامہ حکمت قرآن اور میثاق کے رکن ادارۂ تحریر حافظ خالد محمود خضر کے والد محترم میاں برکت العلی صاحب ۲۸/ اگست بروز جمعۃ المبارک ۸۴ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اِنّا للہ واِنا اِلیہ رَاجعون۔ قارئین سے مرحوم کیلئے دعائے مغفرت اور پس ماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَدْخِلْہُ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْہُ حِسَابًا یَسِیْرًا۔ آمین

hk9-7.hml

پاکستان میں رسم عثمانی پر مبنی نسخۂ قرآن کی اشاعت کی ضرورت

—— پروفیسر حافظ احمد یارؒ ——

قرآن کریم کی صحیح قراءت (حفظ یا ناظرہ) ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اور اِس مقصد کے لئے کلام اللہ کی درست کتابت کا اہتمام مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ اور فرض کفایہ ہے۔ قراءت اور کتابت کا یہ تسلسل ہی بحکمِ الٰہی گزشتہ چودہ سو سال سے قرآن کریم کی حفاظت کا ضامن رہا ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت رہے گا۔

حفاظتِ قرآن کے یہ دونوں عوامل (درست قراءت اور کتابت) آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں ہی شروع ہوئے۔ آپؐ نے نہ صرف تلقی اور سماع کی بنیاد پر خود جبریلؑ سے قرآن مجید کا ایک ایک لفظ سن کر یاد کیا' اور پھر اسی طرح اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنایا اور پڑھایا بلکہ اس کے ساتھ آپؐ نے قرآن کے ہر نازل شدہ حصے کی کتابت بھی کسی نہ کسی کاتبِ وحی سے اپنے سامنے کرائی۔ اس کتابت کی نقلیں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں شائع ہوئیں اور کلی یا جزوی طور پر حفظ قرآن کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔

قرآن کریم کی تاریخ میں کئی ایسے مواقع بھی پیش آئے جب مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر قرآن مکتوب (مصاحف) میں اغلاط داخل ہونے لگیں۔ حفاظ قرآن کے لئے اس قسم کی اغلاط قطعاً بے ضرر ہوتی ہیں۔ کتابت مصحف میں کسی طرح کا سہو و خطاء یا نقص و عیب (چاہے وہ کسی وجہ سے واقع ہوا ہو) نہ تو حافظ قرآن کے لئے کسی گمراہی اور غلطی کا باعث بن سکتا ہے اور نہ ہی حفاظ کے ہوتے ہوئے [اور حفظ قرآن مسلم معاشرہ میں ایک جزءِ اساسی (Institution) کا درجہ رکھتا ہے] قرآن کریم میں کسی قسم کی تحریف مستقل طور پر راہ پا سکتی ہے۔ غالباً اسی لئے کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی نسخہ (غالباً) اغلاط

سے مبرا نہیں ہوتا' تاہم قرآن کبھی غلط نہیں پڑھا جاتا۔

حفاظ کی حد تک تو یہ بات درست ہے۔ مگر عام (غیر حافظ) مسلمان کو قرآن کریم کی بذریعہ تلقی و سماع ناظرہ تعلیم کے بعد روزانہ تلاوت و قراءت کیلئے کسی نہ کسی مکتوب نسخۂ قرآن (مصحف) پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ بنابریں اگر کسی وجہ سے کسی زمانے یا کسی علاقے میں کتابتِ مصاحف میں لفظی اغلاط عام اور بکثرت واقع ہونے لگیں تو ان کے فوری تدارک کیلئے صحیح کتابت پر مبنی نسخۂ قرآن (مصحف) کی اشاعت ناگزیر ہو جاتی ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ یہاں ان عوامل و اسباب سے بحث کرنے کی ضرورت ہے نہ گنجائش جن کے تحت حضرت عثمانؓ کو یہ کام کرنا پڑا۔ صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا کافی ہے کہ قرآن کریم کے یہ عثمانی ایڈیشن (مصاحف عثمانی) اہل علم و بصیرت کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں اور ان کی نگرانی میں خاص اہتمام سے تیار ہوئے تھے' اور اُس وقت سے آج تک یہ عثمانی ایڈیشن ہی کتابتِ مصاحف کیلئے معیاری نمونہ اور ماڈل کاپی تسلیم کئے گئے۔ ان مصاحف (عثمانی) میں اختیار کردہ طریق املاءِ الفاظ اور ہجاءِ کلمات ہی اصطلاحاً "رسم عثمانی" کہلاتا ہے۔ اور کتابت مصاحف میں صحت اور درستی کا معیارِ مطلوب ہی یہ ہے کہ ہر نیا لکھا جانے والا مصحف رسم اور املاء کی حد تک مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک کی بعینہٖ نقل ہو یا اس قسم کی کسی نقل صحیح سے نقل کیا جائے۔

یہ بات اس لئے بھی ضروری تھی کہ رسم عثمانی کئی امور میں رسم معتاد یا عربی زبان کے عام طریق ہجاء سے مختلف تھا ـــــ اس اختلاف کے اسباب اور ان کی نوعیت پر بحث کے لئے مستقل تالیفات موجود ہیں' یہاں اس کی تفصیلات میں جانا بے کار ہے ـــــ البتہ جو بات خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ امت میں اصولی طور پر اس بات میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کتابتِ قرآن میں اس "رسم عثمانی" کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ وہ مکاتب فکر بھی جو کسی وجہ سے "رسم عثمانی" کی اصطلاح استعمال نہیں کرنا چاہتے بلکہ اسے "رسم قرآنی" کا نام دیتے ہیں وہ بھی اس "رسم قرآنی" یا "رسم عثمانی" کا اتباع اور کتابت مصاحف میں اس کی پابندی لازمی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ کاتبینِ مصاحف کی راہنمائی کے لئے اور علمائے تجوید و قراءت کے استفادہ کے لئے اس مخصوص فن (فنّ الرسم) پر الگ کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور اس قسم کی تالیفات میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے علماء نے یکساں حصہ لیا ہے۔

عثمانی ایڈیشن کی اشاعت کا باعث مختلف ہجات استعمال کرنے والے عربوں اور غیر عرب مسلمانوں کے باہمی اختلاط سے پیدا ہونے والا اختلاف بنا تھا۔ مگر پھر مصاحف عثمانی کی اشاعت سے تقریباً تیس (۳۰) برس کے اندر ہی عرب و عجم کے لسانی اختلاط اور عربوں اور عجموں کی عربیہ فصحیٰ سے تدریجی بیگانگی اور دوری (اور عربی زبان کی کتابت میں شکل و اعجام کی غیر موجودگی۔ یہ سب مل کر.....) متشابہ حروف و کلمات میں تمیز کے لئے علامات ضبط بذریعہ نقط (نقط الشکلی اور نقط الاعجام) کی ضرورت اور ایجاد کا باعث بن گئے۔ اور یہ کام مشہور تابعی ابوالاسود الدؤلی ۶۹ھ اور ان کے بعض خاص تلامذہ نے سرانجام دیا۔ دوسری صدی ہجری کے اختتام تک خلیل عروضی کا ایجاد کردہ طریقہ "حرکات الشکل" بھی وجود میں آگیا۔

دؤلی اور خلیل کی ایجاد کردہ علامات ضبط مختلف اسلامی ملکوں میں رائج ہوگئیں اور ان میں مزید اضافوں اور ترمیمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اگرچہ بالآخر خلیل عروضی کا طریقہ ہی تمام ممالک میں رائج ہوگیا' تاہم کتابت قرآن کی حد تک آج بھی بعض افریقی ممالک میں ابوالاسود کے ایجاد کردہ طریق ضبط بذریعہ نقطہ کو جزوی طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ علامات ضبط کے اس تصور اور تنوع کا مطالعہ اور موازنہ بھی ایک دلچسپ علمی موضوع ہے اور ایک مستقل تالیف کا محتاج ہے۔

علامات ضبط میں اس پیش رفت کے ساتھ ساتھ فنی اور جمالیاتی لحاظ سے بھی خط عربی کئی مراحل طے کر گیا۔ بیسیوں اقلام (اقسام خط) ایجاد ہوئیں (مثلاً کوفی' مغربی' ریحانی' محقق' ثلث' نسخ' نستعلیق' شکستہ' دیوانی' رقاع' طغریٰ وغیرہ) تاہم کتابت مصاحف کے لئے ان میں سے صرف دو تین خطوط (اقسام خط) ہی مستعمل رہے۔ اگرچہ ایک ہی قسم کے خط (مثلاً کوفی یا نسخ) میں بھی مختلف ممالک اور مناطق کے اندر بعض واضح انفرادی علاقائی خصوصیات موجود ہیں ـــــ تاہم' شکل و اعجام کے اختلاف' علامات ضبط کے تنوع اور

انواع خط کی بو قلمونی کے باوجود یہ بات ہمیشہ مسلم رہی کہ اصل ہجاء اور رسم قرآنی (یا عثمانی) میں قطعاً کوئی تغیر جائز نہیں ہو گا۔ خصوصاً وہ جو اس میں سے متفق علیہ ہے۔

مصاحف عثمانی جو بصرہ' کوفہ' دمشق' مکہ مکرمہ وغیرہ صوبائی صدر مقامات پر ماڈل اور ماسٹر کاپی کے طور پر بھیجے گئے تھے' ان میں باہم بھی چند جگہوں پر طریق ہجاء واملاء اور رسم کے کچھ اختلافات موجود تھے' بلکہ شاید عمداً رکھے گئے تھے۔ اس کی وجوہ اور ان جملہ اختلافات کا ریکارڈ بھی بالتفصیل اس فن (رسم) کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن مختلف فیہ رسم میں بھی مصاحف عثمانی میں سے ہی کسی ایک کا اتباع لازمی ہے۔ اس کے علاوہ اور ان مصاحف سے باہر کا کوئی طریق ہجاء یا رسم الخط قابل قبول نہیں ہو گا' چاہے وہ عام عربی خط میں رائج ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی مختلف فیہ صورتوں میں کسی ایک ہی رسم کو لازمی قرار دینا بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا رسم عثمانی سے انحراف غلط ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسم قرآنی کی درستی اور صحت نہ تو محض حافظ قرآن ہونے کی بناپر متعین کی جاسکتی ہے نہ محض عربیت میں مہارت سے یہ بات ممکن ہے۔ خصوصاً ان کلمات میں جو غیر معتاد اور خلافِ قیاس لکھے گئے ہوں۔ اس لئے کہ اس (رسم قرآنی) کی صحت کادارومدار ہی نقل صحیح پر ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خطاط حضرات اکثروبیشتر (الاماشاءاللہ) کم علم لوگ ہوتے ہیں۔ فنی مہارت کسی علمی ثقاہت کا ثبوت نہیں ہے۔ کتابتِ مصاحف مدتوں ایک معقول' شریفانہ اور منفعت بخش پیشہ اور ذریعہ معاش بھی تھا۔ خصوصاً جب کہ نسخہ خطاطی ونقاشی کے کمال کا آئینہ دار ہوتا اور کسی حکمران یا بڑی شخصیت کو پیش کیا جاتا تو بہت کچھ انعام و اکرام ملنے کی توقع ہو سکتی تھی۔ اس لئے خطاط جلدی کی خاطر یا محض جمالیاتی پہلو پر نظر رکھنے کے باعث کتابت مصاحف میں رسم الخط عثمانی (قرآنی) کی خلاف ورزیاں بھی کر جاتے تھے۔ [1] بعد میں آنے والے کاتب یا تو غلطی کے کسی ایسے ہی سبب کا شکار ہو کر یا کسی سابقہ لکھے ہوئے "باغلاط" مصحف سے نقل کرتے ہوئے نادانستہ طور پر غلطی در غلطی کا ارتکاب کر لیتے تھے اور یوں ایک غلطی محض تکرار کی وجہ سے مانوس لگنے لگتی تھی۔

علم الرسم علمی کتابوں میں ضرور موجود تھا لیکن اول تو جتنی تعداد میں مصاحف لکھے

جاتے تھے ان میں سے ایک ایک پر ماہرانہ نگرانی کا انتظام موجود نہ تھا اور ایسا ہونا شاید ممکن بھی نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصاحف کی کتابت میں رسم عثمانی (قرآنی) کی خلاف ورزی عام ہونے لگی بلکہ بعض صورتوں میں غلط املاء کو ہی کلمہ کی صحیح صورت املاء و رسم سمجھ لیا گیا۔ یہ صورت خصوصاً حذف و اثبات الف والے کلمات اور مقطوع و موصول لکھے جانے والے کلمات میں زیادہ واقع ہوئی یا ان کلمات میں جن کی املاء معتاد (روزمرہ کی املاء) رسم قرآنی سے مختلف ہوتی تھی۔ اگرچہ بعض دیگر کلمات میں بھی کتابت کی غلطی کا ارتکاب ہوتا رہا ہے۔

اس تساہل یا جہالت کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ قرآن کریم کے لئے صحتِ کتابت کا معیار صرف یہ سمجھ لیا گیا کہ کوئی کلمۂ قرآنی چھوٹ نہ گیا ہو یا کسی بھی ملک کے اندر رائج "علاماتِ ضبط" کے مطابق تمام علامات ضبط ٹھیک ٹھیک لگی ہوں، یعنی حرکاتِ ثلاثہ، مد، شد اور نقطہ وغیرہ کی غلطی نہ ہو [۲] طباعت کے دور میں یہ اغلاط آناً فاناً "اضعافاً مضاعفةً" ہونے لگیں۔ اس لئے کہ ایک مکتوب مصحف سے سینکڑوں ہزاروں مصاحف تیار ہونے لگے اور یوں اغلاط بھی کثرت سے "متعارف" اور "متداول" ہونے لگیں۔

بعض علاقوں (خصوصاً برصغیر میں) تجارت مصاحف کے نفع بخش کاروبار میں غیر مسلموں کے بھی آجانے سے رسم عثمانی تو کجا علامات ضبط کی اغلاط بھی زیادہ عام ہو گئیں۔ اس کے تدارک کے لئے کم از کم برصغیر میں بہت سے مصاحف کی طباعت میں اغلاط سے مبرا ہونے کا خاص خیال رکھا گیا۔ اس کی ایک "اور شاید آخری" مثال انجمن حمایت اسلام کا طبع کردہ نسخہ قرآن ہے۔ تاہم صحت کا یہ سارا معیار صرف علاماتِ ضبط تک محدود تھا۔ رسم الخط عثمانی کی حد تک ان مہتم بالشان مصاحف میں بھی اغلاط یا خلاف ورزیاں عام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرقی ممالک بالخصوص ترکی، ایران اور برصغیر میں زیادہ (اور شام عراق اور مصر میں ذرا کم) رسم عثمانی کی خلاف ورزی عام ہونے کا بڑا باعث کاتبان مصاحف کی کم علمی، سہل انگاری یا جلد بازی وغیرہ ہی بنی۔ افریقی ممالک (ماسوائے مصر) اس وباء سے اس وجہ سے بھی محفوظ رہے کہ وہاں قرآن کریم کی ناظرہ تعلیم کا طریقہ

مختلف رہا' اور اب تک ہے۔ وہاں ہر طالب علم جتنا حصہ قرآن کریم کا روزانہ پڑھتا ہے وہ مصحف سے دیکھ کر تختی پر نقل بھی کرتا ہے اور کئی بار لکھ کر وہ تختی اپنے استاد کو دکھاتا بھی ہے۔ اس لئے وہاں اس طریق تعلیم کی بدولت قرآن کی نقل صحیح کے امکانات زیادہ رہے۔ جب کہ اہل مشرق نے (شاید آیاتِ قرآنیہ کو بے ادبی سے بچانے کے لئے) اس طریقے کو اختیار نہ کیا اور نتیجتاً یہاں قرآن کریم کی نقل صحیح کا وہ اہتمام نہ ہو سکا۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتابت مصاحف میں اتباع رسم عثمانی کی خلاف ورزی عام ہو گئی۔ مصاحفِ خطیہ کے دور تک تو قدرتاً ان اغلاط کی اشاعت کا دائرہ محدود رہا' مگر دورِ طباعت نے جب اس وباء کو عام کیا تو اہل علم اس صورت حال سے بے چین ہونے لگے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں غالباً سب سے پہلے رضوان مخلاتی نے اپنے ذاتی اور انفرادی اہتمام سے ایک نسخۂ قرآن رسم عثمانی کے موافق (شام یا مصر سے) شائع کیا۔ غالباً اسی نسخہ سے' اور اس کوشش سے متاثر ہو کر' حکومت مصر نے ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۵ء میں فواد اول کے زمانے میں اہل علم ماہرین فن کے ایک بورڈ کی نگرانی میں بڑے اہتمام سے وہ مشہور نسخہ قرآن شائع کیا جو عموماً نسخۂ امیریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا اور اس میں رسم الخطِ عثمانی کی ان چار غلطیوں کو بھی درست کر دیا گیا جو طبع اول میں رہ گئی تھیں۔ اس کے بعد سے شرق اوسط کے تمام عرب ممالک میں شائع ہونے والے مصاحف بالعموم اسی مصری مصحف (طبع دوم) سے نقل کئے جاتے رہے ہیں۔

ان مصری یا عرب مصاحف میں رسم عثمانی کی صحت اور رعایت کا اہتمام تو یقیناً اچھی بات ہے۔ تاہم ان میں علامات ضبط کا جو طریق اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی "نامانوسیت" کے باعث اہل مشرق خصوصاً ایران' ترکی یا برصغیر کے کم علم' محض ناظرہ خواں لوگوں کے لئے قراءت مین دشواری بلکہ غلطی کا باعث بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے۔

ابھی حال ہی میں سعودی حکومت نے رسم عثمانی کی خلاف ورزی کی بنا پر برصغیر میں شائع ہونے والے مصاحف کا حرمین شریفین میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں سعودیہ کے ماہرین کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

علامات ضبط اور رسم عثمانی کو ایک ہی درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اصل چیز رسم قرآنی یا رسم عثمانی ہے۔ علامات ضبط ۶۰ھ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں اور زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کرتی رہی ہیں۔ خود حکومت مصر کے محولہ بالا مصحف میں یہ صراحت موجود ہے کہ :

> "اس میں علامات ضبط کا طریقہ کتاب "الطراز علی ضبط الخرّاز" سے لیا گیا ہے، مگر اہل مغرب اور اہل اندلس کی علامات (جو اس کتاب میں مذکور ہیں) کی جگہ خلیل عروضی اور دیگر اہل مشرق کی علامات اختیار کرلی گئی ہیں"۔

اس تصریح کے بعد بھی کسی نام نہاد اہل علم کا اپنے ملک میں رائج علامات ضبط کو اور رسم عثمانی کو یکساں قرار دینا یا محض تعصب ہے یا جہالت۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی اہل درد فرد یا کوئی اسلامی حکومت (اور حکومت پاکستان اس کی زیادہ حقدار بھی ہے اور اس پر یہ فرض خصوصاً عائد ہوتا ہے کہ وہ) ایک ایسے نسخۂ قرآن کی اشاعت کا اہتمام کرے جو رسم عثمانی کے ماہرین کے ایک بورڈ کی نگرانی میں تیار کر دیا جائے، اور اس میں علامات ضبط اہل مشرق کی ہی اختیار کی جائیں، البتہ اہل عرب اور مصری و افریقی مصاحف میں قدیم سے مستعمل بعض اچھی اور سہولت پیدا کرنے والی علامات ضبط کو بھی اپنایا جا سکتا ہے، مثلاً تنوین اخفاء و اظہار۔

حکومت پاکستان اپنے قوانین کی رُو سے پاکستان کے اندر طباعتِ مصاحف کی صحت کی ذمہ دار ہے۔ اگر حکومت ایک معیاری مصحف تیار کرکے بطور نمونہ پیش کرے اور کم از کم پاکستانی ناشرین قرآن کو اس بات کا پابند کر دے (اور پابند بنانے کا قانون تو موجود ہے صرف غلطی کو غلطی ہی نہیں سمجھا جارہا) کہ وہ آئندہ تمام مصاحف اس معیاری مصحف کے مطابق شائع کریں۔ اگر یہ کام نیک نیتی، خلوص، علمی لگن اور حسن تدبیر کے ساتھ سرانجام دیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ شاید ایسا نسخہ آگے چل کر تاریخ مصاحف میں "مصحفِ پاکستان" یا نسخہ پاکستانیہ کے نام سے یادگار بن جائے۔

میرے نزدیک اس کام کے لئے علماء و ماہرین کا ایک بورڈ پہلے تو رسم عثمانی کے متفق

علیہ مقامات کی واضح نشاندہی کرے 'سورۃ بہ سورۃ اور آیت بہ آیت' اور اس میں متفق علیہ اور مختلف فیہ کی بھی تصریح کردی جائے۔ دوسرا کام یہ کمیٹی یا بورڈ علاماتِ ضبط کو اختیار کرنے یا وضع کرنے کا کرے اور مختلف ممالک میں رائج علاماتِ ضبط کا علمی جائزہ لے کر احسن و اعلیٰ کا انتخاب کرے۔ اس کے بعد یہ کمیٹی تعدادِ آیات' کوفی وغیر کوفی آیات کا تعین اور مختصر مگر جامع علامات وقوف متعین و مقرر کردے ــــــ اس کے بعد مصحف کی تیاری کا عملی مرحلہ آجائے گا۔ ممکن ہے ان ہدایات کی روشنی میں کوئی بڑا ادارہ خود ہی ایسا جامع الصفات نسخۂ قرآن شائع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

میرے نزدیک اس سے اگلا قدم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستانی اس معاملے میں بھی اور پیش قدمی کرکے اس امر کی کوشش کریں کہ تمام عالم اسلامی کی حکومتیں مل کر پورے عالم اسلام کے لئے یکساں علامات ضبط پر مبنی نسخۂ قرآن شائع کرنے کا اہتمام کریں اور اس کی تعلیم دینے کے لئے اس کے لئے طے کردہ طریق ضبط کی روشنی میں ایک قرآنی تعلیمی قاعدہ بھی شائع کیا جائے۔ خیر یہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔ پہلے مرحلے یعنی پاکستان میں رسم عثمانی پر مبنی مصحف کی اشاعت کے کام کی آج اتنی ہی شدید ضرورت ہے جیسی مصحف عثمانی کی تیاری کے لئے پیش آئی تھی۔

حواشی

(۱) مارٹن لنگز نے لندن کی ۱۹۷۶ء والی مہرجان عالم اسلامی والی نمائش کے جو نمونے اپنی کتاب میں دیئے ہیں یا آربری نے ڈبلن (چیسٹربٹی) میں موجود مصاحف کے جو عکس دیئے ہیں ان میں اکثر رسم الخط عثمانی کی کوئی نہ کوئی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

(۲) برسبیل تذکرہ کراچی سے دار التصنیف کے شائع کردہ مصاحف میں فی غلطی ایک سو روپے انعام کے اعلان کو صرف اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے کہ "اس قرآن مجید کے متن میں اعراب یعنی زیر' زبر' پیش' جزم' تشدید اور مد کی غلطی نکالنے والے کو فی غلطی سو روپیہ انعام دیا جائے گا"۔ گویا رسم عثمانی کی خلاف ورزی ان کے نزدیک کوئی غلطی ہی نہیں ہے اور حکومت پاکستان کے قانون کا تقاضا پورا کرنے کے لئے جو قراء و حفاظ صحت کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں وہ شاید خود بھی اس قسم کی غلطی پکڑنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرّ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرشید عراقی

حافظ ابن عبدالبر کی عظمت شان اور علمی کمالات کا تمام ائمہ فن' ارباب سیر' تذکرہ نگار اور ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ اور ان کے علم و فضل' حفظ و ضبط' عدالت و ثقاہت' امانت و دیانت اور تمام علوم اسلامیہ میں ان کے جامع ہونے کا محدثین کرام اور ائمہ عظام کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی نے احد الاعلام کے الفاظ سے یاد کیا ہے (۱) ابن عماد حنبلی نے علامۃ العلم لکھا ہے (۲) علامہ سمعانی نے ان کو جلیل القدر امام فاضل کا لقب عطا کیا ہے (۳)۔ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبدالبر قرطبیؒ بلاد مغرب کے کبار علماء میں سے تھے۔ ان کا علمی پایہ امام بیہقی اور امام ابن حزم رحمہما اللہ تعالیٰ سے کمتر نہیں تھا اور وہ اپنے علمی کمالات کی وجہ سے مرجع انام' یگانہ روزگار' اور امام وقت سمجھے جاتے تھے۔ (۴)

ولادت : ابن عبدالبر کی ولادت ۲۵ ربیع الآخر ۳۶۸ھ کو اندلس کے پایۂ تخت قرطبہ میں ہوئی (۵)۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے : یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم (۶)۔

خاندان : ابن عبدالبر کا تعلق قرطبہ کے قبیلہ تمرین سے تھا۔ ان کے والد امام ابو محمد عبداللہ کا شمار قرطبہ کے ممتاز علماء و فضلاء میں ہوتا تھا اور ان کو شعر و ادب سے اچھا ذوق اور شغف تھا۔ ابن عبدالبر کی نشو و نما اسی صاحب کمال باپ کی آغوش میں ہوئی تھی۔ (۷)

اساتذہ و تلامذہ : حافظ ابن عبدالبر نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کی مکمل فہرست حافظ ذہبی اور علامہ ابن فرحون نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہے اور اسی طرح ان کے تلامذہ کی فہرست بھی درج کی ہے۔ (۸)

تحصیل تعلیم : حافظ ابن عبدالبر کے بارے میں اہل سیر اور تذکرہ نگاروں نے تصریح

کی ہے کہ انہوں نے علمائے اندلس سے ہی اکتساب فیض کیا۔ اندلس سے باہر تشریف نہیں لے گئے۔(۹)

علم و فضل : حافظ ابن عبد البر کے علم و فضل اور صاحب کمال ہونے پر علمائے فن کا اتفاق ہے۔ ان کے حفظ و ضبط' عدالت و ثقاہت اور اتقان میں بلند مرتبہ ہونے کا علمائے فن اور ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ ارباب سیر نے ان کو حافظ اندلس کالقب عطا کیا ہے۔ ابن فرحون نے لکھا ہے کہ اندلس کی سرزمین میں وہ سنن ماثورہ کے سب سے بڑے حافظ تھے(۱۰)۔ اہل سیر نے ابن فرحون کے اس قول کی توثیق کی ہے۔

حدیث اور اُس کے متعلقات میں ان کو کمال حاصل تھا۔ گو ان کو تمام علوم اسلامیہ میں درک حاصل تھا لیکن حدیث و رجال میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ بقول علامہ ابن خلکان وہ حدیث و اثر کے حافظ اور امام عصر تھے(۱۱)۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبد البر علم حدیث و رجال کے ممتاز عالم تھے۔(۱۲)

حافظ ابن عبد البر رجال اور جرح و تعدیل میں یگانہ روزگار تھے اور اس فن میں ان کے صاحب کمال ہونے کا پتہ ان کی تصانیف خاص طور پر موطا امام مالک کی شروح التمہید اور کتاب الاستذکار کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ

> حافظ ابن عبد البر نے متن و سند کی تصحیح' مرسل و مسند کی تمیز' موصول و منقطع میں تفریق اور ضعفاء و ثقاہت میں امتیاز کرکے صحیح و سقیم کو پوری کوشش سے الگ کر دیا اور مخفی و مستور حدیثوں کا کھوج لگا کر ان کے علل کی نشاندہی اور اسقام و عیوب پر متنبہ کر دیا۔ موطا کی شروح میں سندوں کی وضاحت پر خاص توجہ کی ہے اور مرسل و منقطع اور بلاغات موطا پر لطیف بحث و کلام کیا ہے۔(۱۳)

فقہ میں بھی ان کو کمال حاصل تھا اور اپنے فقہی کمالات کی وجہ سے مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ ائمہ فن نے ان کی فقہی بصیرت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بلند مرتبہ فقیہ اور خلافیات کے عالم تھے۔(۱۴)

حافظ ابن عبد البر صرف حدیث اور فقہ میں ممتاز نہ تھے بلکہ دوسرے علوم اسلامی قراءت' تفسیر' تاریخ' انساب' ادب و لغت' سیر و اخبار میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر علم انساب، اخبار، ادب و معانی و بیان میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (۱۵)

شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اہل سیر نے ان کے اشعار اپنی اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں ان کے دو شعر ہیں :

مقالة ذی نصح و ذات فوائد اذا من ذوی الالباب کان استماعها

علیکم بآثار النبی فانه من افضل اعمال الرشاد اتباعها (۱۶)

(عقل مندوں کی پُر موعظت اور فائدہ مند گفتگو کو سن لو۔ رسول اللہ ﷺ کے آثار و حدیث کی پیروی کو لازم سمجھو کیونکہ تمام اعمال رشد سے بڑھ کر اس کا اتباع ہے۔)

فقہی مذہب : حافظ ابن عبد البر فقہی مسلک میں امام مالک بن انس سے وابستہ تھے اور ان کا شمار فقہ مالکیہ کے اکابر فقہاء میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ جامد مقلد نہ تھے، بعض مسائل میں وہ شافعیہ کے ہمنوا تھے۔ اس میلان کی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے ان کا طبقات شافعیہ میں تذکرہ کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مالکی تھے، البتہ ان میں اجتہادی بصیرت تھی اور وہ اندھی تقلید سے دور رہتے تھے۔ (۱۷)

حافظ ابن عبد البر تمام علوم اسلامیہ کے جامع تھے۔ فقہی جامعیت اور اجتہادی بصیرت میں صاحب کمال ہونے کی بنا پر محکمہ قضاء بھی ان کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ کئی سال تک وہ عہدۂ قضاء پر متمکن رہے۔ (۱۸)

اخلاق و عادات : حافظ ابن عبد البر سیرت و اخلاق میں بھی ممتاز تھے۔ علم و فضل کی طرح ورع و تقویٰ میں بھی عدیم المثال تھے۔ اہل سیر نے ان کو صدق و دیانت، حسن عقیدہ، عفت و پاکدامنی اور اتباع سنت میں بے مثال بتایا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن عبد البر صدق و دیانت، حسن عقیدہ اور اتباع سنت میں بے مثال تھے۔ (۱۹)

ابتلاء و آزمائش : حافظ ابن عبد البر ابتلاء و آزمائش سے بھی دوچار ہوئے اور اس سلسلہ میں انہیں جلاوطن ہونا پڑا۔ ابن فرحون لکھتے ہیں :

رحل عن وطنه فی الفتنة فجال الغرب الاندلس [۴۰]

"فتنہ کے وقت وہ اپنے وطن سے رحلت کر کے مغربی اندلس چلے گئے"۔

وفات : حافظ ابن عبد البر نے ۹۵ سال کی عمر میں اندلس کے ایک شہر شاطبیہ میں انتقال کیا۔ سن وفات ۴۶۳ھ ہے۔ [۴۱]

تصانیف : حافظ ابن عبد البر بلند پایہ مصنف تھے۔ تصنیف و تالیف کا ان کو فطری ذوق تھا۔ تذکرہ نگاروں اور ائمہ فن نے ان کی تصانیف کی تعریف و توصیف کی ہے۔

علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ تصنیف و تالیف میں توفیق الٰہی اور تائید ایزدی ان کے شامل حال تھی [۴۲]۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر عمدہ اور عظیم الشان کتابوں کے مصنف تھے اور ان کی تصنیفات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی [۴۳]۔ مولانا سید ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۳۲ کتابوں کے نام اپنی کتاب تذکرۃ المحدثین میں درج کئے ہیں [۴۴]۔ مگر میں طوالت کے خوف سے یہاں ان کی صرف سات کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔

۱) التھمید لما فی الموطا من المعانی و الاسانید : یہ موطا امام مالک کی عظیم الشان اور شہرۂ آفاق شرح ہے۔ اس کتاب کو حدیث کی عمدہ اور بہترین شروح میں خیال کیا جاتا ہے۔ اسی کی بدولت حافظ ابن عبد البر کو ممتاز محدث اور مالکیہ میں سب سے بلند پایہ محدث اور شارح حدیث قرار دیا گیا۔ علمائے حدیث نے اس شرح کی تعریف و توصیف کی ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ فقہ و حدیث میں ایسی عمدہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری [۴۵]۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر سے پہلے کسی نے ایسی عظیم الشان کتاب نہیں لکھی۔ [۴۶]

حضرت شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر کی "التھمید" فقہ و حدیث میں نادرۂ روزگار اور روشن ضمیر مجتہدوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے۔ مذہب مالکی کے متعلق تنہا یہی کتاب کافی ہے [۴۷]۔ مولانا محمد بن یوسف سورتی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں : شروح حدیث میں ابن عبد البر کی قابل قدر اور بہترین کتاب ہے، جس

کی نظیر اب تک کوئی شرح نہیں لکھی گئی [۲۸]۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ اس کی ترتیب و تصحیح میں حافظ ابن عبد البر نے موطا کے ۱۲ مستند نسخوں سے مدد لی تھی۔ [۲۹]

علمائے حدیث کا اس شرح کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ شرح بڑی محققانہ' مفید' جامع اور معلومات کا ذخیرہ ہے۔ یہ شرح شائع ہو چکی ہے۔ پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ لاہور اور مکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل کے اشتراک سے ۲۶ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۲) **تجرید** : یہ کتاب "التھمید" کا دیباچہ یا مختصر ہے۔ اور ۱۳۵۱ھ میں مکتبہ قدسی قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اور اس کا نام ٹائٹل پر "تجرید التھمید لما فی الموطا من المعانی و الاسانید و التقصی لحدیث الموطا و شیوخ مالک" درج ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے خود اس کتاب کا تعارف درج ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے :

> "تمہید کی طوالت کی وجہ سے ہم نے موطا کی احادیث و سنن کو اس میں علیحدہ جمع کر دیا ہے اور مسند' مرسل' متصل و منقطع کو ممیّز کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ سب امام مالک کے اتباع کے نزدیک حجت و واجب العمل ہیں۔ پس اس کتاب کو التھمید کا ایک ایسا آسان مدخل (مقدمہ) خیال کرنا چاہئے جس میں امام مالک کے رواۃ کے اصل و ارسال پر مختصراً تنبیہہ کی گئی ہے۔ [۳۰]

۳) **کتاب الاستذکار** : اس کا پورا نام "الاستذکار بمذاهب علماء و الامصار فیما تضمنه الموطا من المعانی الرای و الاثار" ہے۔ یہ التھمید کا خلاصہ ہے اور اس کا شمار حافظ ابن عبد البر کی عظیم الشان تصانیف میں ہوتا ہے۔

شروح حدیث میں یہ کتاب بڑی اہم اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اس کے بارے میں فرماتے ہیں :

> "یہ موطا کی بہترین اور عمدہ شرحوں میں ہے' اس کے ابواب کی تنبیق میں بڑی فنی مہارت سے کام لیا گیا ہے اور مختصر ہونے کی وجہ سے نہایت مقبول و متعارف ہے۔ [۳۱]

۱۴۱۶ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز مہتمم جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۴) **التغطابحدیث الموطا / التقصی لحدیث الموطا** : بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک ہی تصنیف قرار دیا ہے لیکن یہ دو مستقل کتابیں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

> التغطاء موطا کی احادیث مسند و متصل کے انتخاب و ترتیب و بیان سے متعلق ہے اور التقصی موطا کی منقطع، مرسل، منفصل، اور بلاغات کے وصل و رفع اسناد پر مشتمل ہے۔ (۳۲)

صاحب کشف الظنون کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۳۳)

۵) **جامع بیان العلم و فضله** : یہ علم کی حقیقت، علماء کی فضیلت و عظمت اور ان کے فرائض وغیرہ کے متعلق ایک مفید اور جامع کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ احمد بن عمر ازہری نے اس کا مختصر شائع کیا تو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ایما پر اس کا اردو ترجمہ کر کے ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع کیا تھا۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے اسلام سے پہلے اور بعد کی علمی حالت، اسلام میں علم کی اہمیت اور مسلمانوں کے علم و فن میں اشتغال و انہماک کا ذکر کیا ہے۔ (۳۴)

۶) **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب** : حافظ ابن عبدالبر کی عظیم الشان اور معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ اس کتاب کو بھی بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ کتاب حافظ ابن عبدالبر کی شہرت کا ذریعہ بنی۔ علمائے فن اور اہل سیر نے اس کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔ اسماء الرجال کے موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے۔ اس میں ۳۵۸۵ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات و مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

اسماء الرجال میں اس کے علاوہ ابو عبداللہ بن مندہ، ابو نعیم، ابن اثیر اور حافظ ابن حجر کی کتابیں مشہور و متداول ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر سے پہلے ابو عبداللہ بن مندہ اور ابو نعیم نے کتابیں لکھیں۔ اور حافظ ابن عبدالبر کے بعد ابن اثیر جزری نے اُسد الغابة تالیف کی اور سب سے آخر میں حافظ ابن حجر نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ لکھی، جو اسماء الرجال پر بڑی جامع اور مکمل کتاب ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں :

جمع فیہ ما فی الاستیعاب وذیلہ (۳۵)

"جو کچھ استیعاب میں ہے اصابہ اس کی جامع بھی ہے اور اس پر ذیل بھی"۔

حافظ ابن عبد البراس کی تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں :

"کتاب اللہ کی مراد کو واضح کرنے کا اصل ذریعہ اور اس کے بعد سب سے اہم اور مقدس سنن نبویؐ کا علم ہے اور سنت کے حفظ وضبط میں سب سے زیادہ مفید و معاون چیز رسول اللہ ﷺ کے حواری و صحابہ کی معرفت ہے کیونکہ انہی لوگوں کے نقل و بیان سے سنتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ پس یہ لوگ نبی ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔ ان کی فضیلت تعدیل اور تزکیہ کا خود اللہ اور رسولؐ نے ذکر کیا ہے۔ (۳۶)

حافظ ابن عبد البر نے اس کتاب کی ابتداء آنحضرت ﷺ کے ذکر سے بطور تبرک کی ہے اور آپ ﷺ کا مختصر مگر جامع تذکرہ لکھا ہے۔

حافظ ابنُ عبد البر نے اس کتاب میں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی ہی قلمبند نہیں کئے بلکہ روایات واسناد پر اصول روایت کے مطابق محققانہ بحث اور کلام بھی کیا ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ

"میں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں اور اہم واقعات کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان سے واقف ہو جانے کے بعد علم و معرفت حدیث میں بھی پورا درک حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں مرسل و مسند وغیرہ کے متعلق مفید معلومات ہیں۔ (۳۷)

الاستیعاب دو جلدوں میں ۱۲۱۸ھ میں دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔ مولانا حسن بن احمد نے اس پر مختصر حواشی رقم فرمائے۔ دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد ۸۰۸ ہے جبکہ ۹۶ صفحات فہرست کے ہیں۔ دوسری مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں حافظ ابن حجر کے الاصابہ کے حاشیہ پر مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ (۳۸)

حواشی

(۱) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۳۲۴ (۲) ابن العماد، شذرات الذہب، ج ۳، ص ۳۱۴

(۳) سمعانی 'کتاب الانساب' ص ۴۴۷ (۴) شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۶۹

(۵) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۷ (۶) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶

(۷) ابن فرحون 'الدیباج المذہب' ص ۳۵۹

(۸) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶۔ ابن فرحون 'الدیباج المذہب' ص ۳۵۹

(۹) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶۔ ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸۔ ابن فرحون' الدیباج المذہب' ص ۳۵۷۔ شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۶۹

(۱۰) ابن فرحون 'الدیباج المذہب' ص ۳۵۷ (۱۱) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸

(۱۲) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶ (۱۳) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸

(۱۴) ابن فرحون 'الدیباج المذہب' ص ۳۵۸ (۱۵) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶

(۱۶) شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۷۰ (۱۷) ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۳۲۶

(۱۸) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸ (۱۹) شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۶۹

(۲۰) ابن فرحون 'الدیباج المذہب' ص ۳۵۷ (۲۱) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۲۱

(۲۲) ابن خلکان 'تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸ (۲۳) ابن کثیر 'البدایہ والنہایہ' ج ۱۱' ص ۱۰۴

(۲۴) ضیاء الدین اصلاحی 'تذکرۃ المحدثین' ج ۲' ص ۳۶۹ تا ۳۷۷

(۲۵) ضیاء الدین اصلاحی 'تذکرہ المحدثین' ج ۲' ص ۳۷۵

(۲۶) تاریخ ابن خلکان' ج ۳' ص ۴۱۸ (۲۷) شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۶۹

(۲۸) محمد بن یوسف سورتی 'معارف اعظم گڑھ' فروری ۱۹۳۲ء

(۲۹) شاہ ولی اللہ 'المصفی شرح موطا' ص ۷

(۳۰) ابن عبدالبر' تجرید' ص ۱۰' ۱۱ (۳۱) شاہ عبدالعزیز 'بستان المحدثین' ص ۷۰

(۳۲) سید سلیمان ندوی 'حیات امام مالک' ص ۱۰۳' ۱۰۵

(۳۳) حاجی خلیفہ 'کشف الظنون' ج ۲' ص ۵۷۲

(۳۴) ضیاء الدین اصلاحی 'تذکرۃ المحدثین' ج ۲' ص ۹۷۲

(۳۵) حاجی خلیفہ 'کشف الظنون' ج ۱' ص ۹۳ (۳۶) ابن عبدالبر 'مقدمہ استیعاب' ص ۱' ۹

(۳۷) ابن عبدالبر 'خاتمہ' ج ۲' ص ۶' ۸

(۳۸) ضیاء الدین اصلاحی 'تذکرۃ المحدثین' ج ۲' ص ۲۸۳

پیش رفت

سالانہ رپورٹ شعبہ خط و کتابت کورسز

(یکم جولائی 1997ء تا 30 جون 1998ء)

مرتب : انوار الحق چوہدری' ناظم شعبہ

شعبے کا اجراء

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر موسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی کی دعوت "رجوع الی القرآن" کی متعدد جہتیں (Facets) ہیں۔ عوام کے لئے ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن اور خطبات جمعہ' قرآن کالج میں نوجوان طلبہ کے لئے کالج و یونیورسٹی کورسز (ایف۔اے' بی۔اے) کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت' عمر رسیدہ اور Serving احباب کے لئے عربی گرائمر اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس' تجوید سیکھنے کے لئے سپیشل کلاسز' بچوں کے حفظ قرآن کے لئے جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں شعبہ حفظ قرآن وغیرہ کے مختلف پروگرام شامل ہیں۔

ان سب کے علاوہ ایسے طلبہ و طالبات' خواتین و حضرات جو ملک سے یا لاہور سے باہر ہیں یا جن کے لئے کسی وجہ سے قرآن کالج / قرآن اکیڈمی لاہور میں حاضری ممکن نہیں' خط و کتابت کورسز ترتیب دیئے گئے ہیں' تاکہ متلاشیان علم اپنے گھر بیٹھے سہولت کے ساتھ فارغ وقت میں عربی گرائمر اور قرآن کی تعلیم حاصل کر سکیں اور درج ذیل کورسز سے استفادہ کر سکیں :

(i) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

(ii) ابتدائی عربی گرائمر (حصہ اول)

(iii) ابتدائی عربی گرائمر (حصہ دوم)

(vi) ابتدائی عربی گرائمر (حصہ سوم)

(v) ترجمہ قرآن کریم کورس

پہلے کورس کا آغاز جنوری 1998ء میں کیا گیا۔ اس کورس کا مقصد خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کرانا ہے۔ بفضل باری تعالیٰ یہ کورس خوب زور و شور سے جاری ہے۔ اس میں حصہ

لینے والوں کی تعداد 3213 تک پہنچ چکی ہے۔ بیرون ملک اس کورس کا اجراء سعودی عرب میں جدہ' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' ریاض' داہران اور الواسیع کے علاوہ ابو ظبی' دوبئ' شارجہ' راس الخیمہ' انگلینڈ' فرانس' کینیڈا اور امریکہ میں بھی ہو چکا ہے۔

دوسرے کورس (حصہ اول) کا اجراء نومبر 1990ء میں کیا گیا۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے لئے ابتدائی عربی گرائمر کا جاننا ناگزیر ہے۔ اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو عربی گرائمر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرا دیا جائے کہ قرآن اور احادیث سے براہ راست استفادہ کے لئے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ اول الذکر کورس کی طرح یہ کورس بھی بہت مقبول ہوا۔ اس کے طلبہ اور طالبات کی تعداد 1657 تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کورس بھی بیرون پاکستان سعودی عرب' ابو ظبی' دوبئ' شارجہ' انگلینڈ' فرانس' کینیڈا اور امریکہ میں جاری ہو چکا ہے۔

اس کورس کے حصہ دوم کا آغاز بھی اکتوبر 1992ء میں کر دیا گیا تھا۔ اس میں حصہ لینے والے طلبہ کی تعداد 194 ہے' جبکہ حصہ سوم کا آغاز مارچ 1997ء میں کیا گیا جس میں طلبہ کی تعداد 63 تک پہنچ چکی ہے۔

ترجمۂ قرآن کریم کورس

1996ء میں شعبہ خط و کتابت کورسز میں ایک نئے کورس بعنوان "ترجمہ قرآن کریم" کورس کا اجراء کیا گیا۔ یہ کورس خاص طور پر Youngsters کے لئے جاری کیا گیا ہے' یعنی سکول اور کالج کے طلبہ و طالبات جو اردو لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ ان طلبہ اور طالبات کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور یہ الفاظ کا ترجمہ بآسانی یاد کر سکتے ہیں۔

آج کل کے مادی دور میں زندگی کا مقصد دنیا کا حاصل کرنا ہی بنا لیا گیا ہے۔ جس دن سے ہمارے ہاں اولاد ہوتی ہے اس کے لئے ہماری بڑی سے بڑی کوشش اور خواہش کیا رہنے لگتی ہے؟ یہی نا کہ یہ اونچی ڈگری حاصل کرے' اونچے سے اونچے مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو اور اعلیٰ ملازمت حاصل کرے۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر والدین اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اندھا دھند انگلش میڈیم سکولوں' پروفیشنل کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جھونک دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نئی نسل قرآن' سنت اور شعائر اسلام سے بالکل کوری رہ جاتی ہے۔ جن گھروں میں والدین باقاعدگی سے نمازیں ادا کرنے والے اور تلاوت قرآن کرنے والے ہوتے ہیں' ان کی اولاد بھی انگلش سکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے دین سے بالکل بے بہرہ ہو جاتی

ہے۔

ایسے نوجوانوں بچوں اور بچیوں کو ترجمہ قرآن سکھانے کے لئے ایک طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ ایسے بچے اور بچیاں اپنے گھر میں روزانہ 15 - 10 منٹ صرف کر کے ٹیوٹر کے بغیر قرآن کریم کا ترجمہ سیکھ سکتے ہیں۔ دین دار والدین جنہوں نے کسی وجہ سے اب تک اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینے کی طرف توجہ نہیں دی وہ صرف تھوڑی سی توجہ کر کے اپنے بچوں اور بچیوں کو اس طریقہ کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ سکھا سکتے ہیں۔ انہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ بچے بلاناغہ روزانہ مناسب وقت اس کام کے لئے صرف کریں۔

تدریس : قرآن کریم میں تقریباً اسی ہزار (80,000) الفاظ ہیں' مگر اصل الفاظ دو ہزار ہیں' جو بار بار آنے کی وجہ سے اسی ہزار کی تعداد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان دو ہزار الفاظ میں بھی تقریباً پانچ سو (500) الفاظ وہ ہیں جو اردو میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بار بار استعمال ہونے والے الفاظ کتابچہ ترجمہ قرآن میں دے دیئے گئے ہیں۔ طلبہ اور طالبات نے ان الفاظ کو یاد کرنا ہے۔ جب یہ الفاظ خوب یاد ہو جائیں تو بچے "ترجمہ قرآن کریم" پہلے پارہ سے شروع کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے حافظ نذر احمد صاحب کا ترجمہ recommend کیا جاتا ہے۔ کورس کی تدریس' نصاب' طریقہ امتحان' تعلیمی استعداد اور کورس کے دورانیہ کے لئے پراسپکٹس میں تفصیلات دی گئی ہیں۔ کورس کے اختتام پر کامیاب طلبہ و طالبات کو سند جاری کی جاتی ہے۔ اس کورس کی فیس بہت کم یعنی صرف 100 روپے رکھی گئی ہے۔ اس کورس کا اجراء فروری 1996ء میں کیا گیا تھا۔ اب تک اس کورس میں 430 طلبہ و طالبات داخلہ لے چکے ہیں۔

کورسز متعارف کرانے کے لئے اقدام

98 - 1997ء کے دوران ان دونوں کورسز کو بڑے پیمانہ پر متعارف کرانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدام کئے گئے :

1۔ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے اپنے ماہانہ جرائد "حکمت قرآن" اور "میثاق" میں وقفہ وقفہ سے ان کورسز کے اشتہارات شائع کئے گئے۔

2۔ ان کورسز کو پبلک میں متعارف کرانے کے لئے روزنامہ "جنگ" اور "نوائے وقت" میں سال میں دو دفعہ اشتہارات دیئے گئے۔

3۔ ماہنامہ "کوثر" میں بھی ان کورسز کے بارہ اشتہارات جاری کرائے گئے۔

4۔ تنظیم اسلامی 23 اسرہ جات کے نقباء اور سات امراء کو ناظم شعبہ خط و کتابت ورسز نے

ذاتی خط لکھے کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں ان کورسز کو متعارف کرائیں۔ انہیں کورسز کے پراسپکٹس اور داخلہ فارمز بھی مندرجہ ذیل شہروں / ملکوں میں ارسال کئے گئے۔

اندرون ملک :

کراچی' کوئٹہ' ملتان' فیصل آباد' لاہور' گجرات' راولپنڈی' اسلام آباد' پشاور' چکوال' سرگودھا' شجاع آباد' وہاڑی' بورے والا' بہاولپور' رحیم یار خان' میرپور خاص۔

بیرون ملک :

(1) انگلینڈ' (2) فرانس' (3) کینیڈا' (4) امریکہ' (5) ناروے۔ ان نقباء اور اُسرہ جات کو ہر چھ ماہ کے بعد یاد دہانی کرائی گئی اور پراگریس رپورٹیں بھی منگوائی گئیں۔

5۔ ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز نے اپنے احباب اور ہم خیال دوستوں کو ان کورسز سے متعارف کرانے لئے ذاتی خطوط بھی تحریر کئے۔

6۔ لاہور کی مندرجہ ذیل بڑی بڑی لائبریریوں کے انچارجز کو ان کورسز کے بارے میں خطوط لکھے گئے۔ ان سے استدعا کی گئی کہ ان کورسز کے اشتہارات اپنی لائبریریوں کے نوٹس بورڈوں پر آویزاں کئے جائیں۔ انہیں اشتہارات' کورسز کے پراسپکٹس اور داخلہ فارمز بھی بجھوائے گئے :

ا) پنجاب پبلک لائبریری
ب) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور
ج) دارالسلام لائبریری باغ جناح لاہور
د) قرآن محل' پنجاب پبلک لائبریری لاہور

7۔ ماڈل ٹاؤن کی مسجدوں میں شعبہ خط و کتابت کورسز کے اشتہارات نوٹس بورڈوں پر آویزاں کئے گئے' تاکہ پبلک اور طلبہ ان کورسز سے متعارف ہو کر مستفید ہو سکیں۔

4۔ موازنہ

96، 97ء (یکم جولائی 97ء

96ء (جنوری تا جون) تا جون 98ء)

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس :

ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	395	92	132
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	58	28	45

2) عربی گرائمر کورس (حصہ اول) :

ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	240	105	145
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	38	17	45

3) عربی گرائمر کورس (حصہ دوم) :

ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	31	13	33
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	24	8	18

4) عربی گرائمر کورس (حصہ سوم) :

ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	-	42	19
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	-	8	22

5) ترجمہ قرآن کریم کورس :

ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	137	154	153
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	-	-	01

1924ء میں خلافت کی تنسیخ کے بعد سے 1969ء تک
عالم اسلام کے کسی متحد نظام یا ادارہ کے قیام کی مساعی کے جائزہ پر مشتمل ایک تاریخی
دستاویز جو گوشہ خلافت کے عنوان سے ندائے خلافت میں بالاقساط شائع کی جاتی رہی

استنبول سے رباط تک

تالیف :

عمران این حسین

ترجمہ و تلخیص از محمد سردار اعوان

تقدیم از قلم ڈاکٹر اسرار احمد

سفید کاغذ' صفحات : 110' قیمت : 30 روپے

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تعارف و تبصرہ

ماہنامہ پیام اسلام آباد

(سیرت و تاریخ رسول ﷺ پر خصوصی شمارہ)

ماہنامہ "پیام" اسلام آباد کا خصوصی شمارہ بعنوان "سیرت و تاریخ رسول ﷺ" جولائی اگست ۱۹۹۸ء کی اشاعت ہے۔ تاریخ و سیرت نبویؐ پر بڑی بڑی مفصل، جامع اور بیش قیمت کتب موجود ہیں جن سے استفادہ کرنے کے لئے بہت زیادہ فرصت اور وقت در کار ہے۔ ان ضخیم اور مفصل کتب کی افادیت تو مسلمہ ہے مگر سیرت نبویؐ مختصر انداز میں ضبط تحریر میں لانا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے، اور خاص طور پر سکول و کالج کے طلبہ و طالبات کے لئے از حد مفید بھی۔ فاضل مدیر نے اس خصوصی شمارے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ اتنے وسیع و عریض موضوع کو اس قدر چھوٹے کتابچے میں سمیٹنا کوئی آسان کام نہیں تاہم ادارہ کی کوشش قابل تعریف ہے۔

ماہنامہ پیام اسلام آباد ایک خاص مکتبہ فکر سے متعلق ہے، مگر اس خصوصی شمارے کے مضمون نگاروں نے حیرت انگیز طور پر اپنی تحریروں کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ کسی بھی دوسرے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا قاری اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور کسی مقام پر رُک کر اسے اپنے جذبات مجروح ہوتے نظر نہیں آتے۔ یہ انداز اپنانے پر پیام کی مجلس ادارت بجا طور پر مبارک باد کی مستحق ہے کہ انہوں نے واقعی اس بات کو ممکن کر دکھایا ہے کہ اختلاف فکر و نظر کے باوجود تعصب سے دُور رہ کر اور دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر سیرت و تاریخ رسول ﷺ پر قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ کوشش یقیناً دوسرے مجلات کے لئے قابل تقلید ہے۔ اگر تمام مسلمان اس طرز عمل کو اپنائیں تو پیار و محبت اور اخوت کی پر امن فضا قائم ہو سکتی ہے۔

رسالے میں شامل تمام تحریریں حوالہ جات سے مزین ہیں۔ کتابت و طباعت بھی معیاری ہے تاہم پروف ریڈنگ کی چند ایک اغلاط موجود ہیں۔ مثلاً ایک جگہ "اسامہ بن حارثہ" لکھا ہے۔ اس غلطی کی اصلاح ہونی چاہیے۔

ماہنامہ "پیام" اخوت ٹرسٹ پوسٹ بکس ۱۴۳۷ اسلام آباد کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

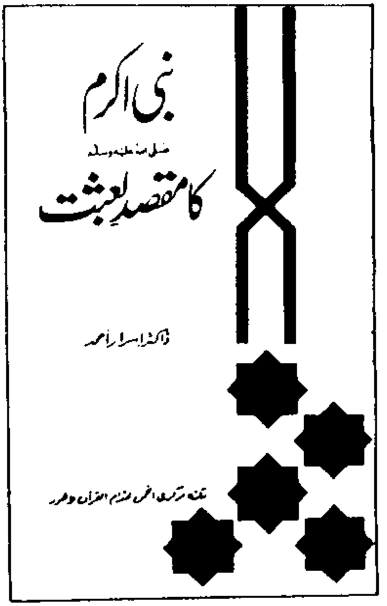

اشاعت خاص -/۲۰ روپے ' عام -/۱۰ روپے

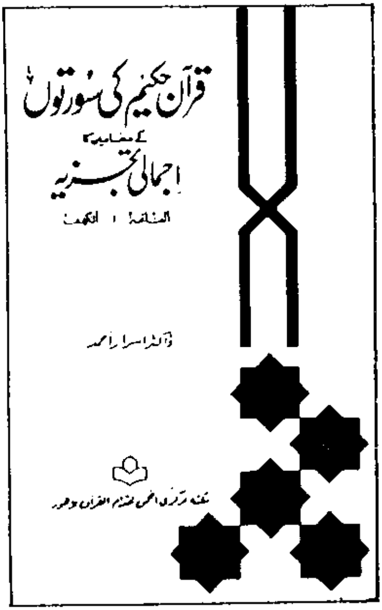

اشاعت خاص -/۴۵ روپے ' عام -/۲۵ روپے

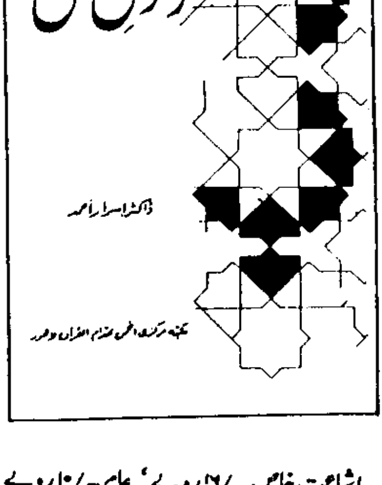

اشاعت خاص -/۲۶ روپے ' عام -/۱۰ روپے

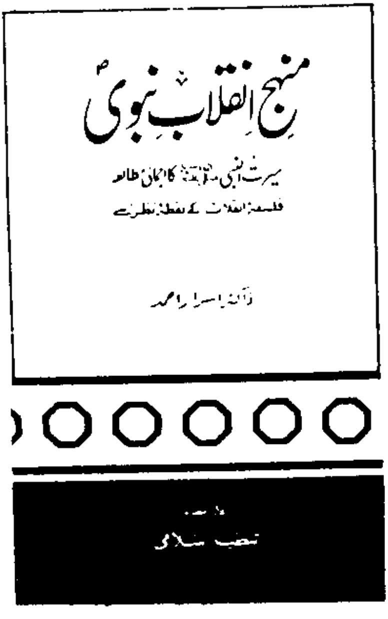

اشاعت عام -/۴۲ روپے

Sep. 1998 Reg. No. CPL. 126

MONTHLY
Hikmat-e-Quran
LAHORE

Vol. 17
No. 9

طالبانِ علم قرآن کے لئے ایک خوش کن اطلاع

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے مرتب کردہ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب
کے دروس پر مشتمل

الہدیٰ

COMPUTER CD

تیار کرلی گئی ہے۔

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ
کے مذموکورہ دروس اس سے قبل 44 آڈیو کیسٹوں پر مشتمل تھے۔
ان سب دروس کو ایک CD میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

تعارفی قیمت -/175 روپے

المعلن: ناظم شعبہ سمع وبصر مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور